سید عزیز الرحمٰن

خطابتِ نبوی ﷺ

تعریف

لغت کے اعتبار سے خطابۃ مصدر ہے، اس کا فعل خَطَبَ باب نصر سے آتا ہے، قَتَلَ یَقْتُلُ کی طرح (۱) یہ مفعول بھی متعدی ہوتا ہے اور حرف جر کے ساتھ بھی۔ (۲) جوہری کے بقول خطب علی المنبر خُطبۃ خ کے ضمے کے ساتھ اور خِطابۃ خ کے کسرے کے ساتھ ہے، عرب محاورے میں کہا جاتا ہے کہ فلان یخطب القوم، جبکہ وہ کسی قوم کا متکلم ہو، اور ان کی جانب سے ترجمان کے فرائض انجام دے رہا ہو۔ اس کی جمع خطباء آتی ہے، (۳) اور ابو اسحاق کے نزدیک عرب کے ہاں خطبہ مسجع نثری کلام کو کہا جاتا ہے۔ (۴) ابو منصور کے بقول خطبۃ خطیب کا مصدر ہے، اور یہ صرف اسی طریقے پر آتا ہے، اور خطبہ کلام کا نام ہے، جس کے ذریعے خطیب کلام کرتا ہے، پس اسے مصدر کی جگہ رکھ دیا گیا، اور اس کی وجہ معلوم نہیں، یعنی یہ خلاف قیاس ہے، سوائے اس کے کہ اسم کو مصدر کے مقام پر رکھ دیا گیا ہے، (۵) اور رجلٌ خطیب بہترین خطیب کو کہا جاتا ہے۔ (۶)

خطابت تخاطب کی بلند ترین قسم ہے، جس کی ضرورت انسانی معاملات میں اس قدر ہے کہ شاید اسے بنیادی ضرورتوں میں بھی اس کا شمار کیا جا سکتا ہے۔ ایک عالم اس کی تعریف بیان کرنے سے قبل کہتا ہے:

> هی نوع من انواع المحادثات وقسم من اقسام النثر، ولون من الوانه الفنية تختص بالجماهير بقصد الاستمالة والتاثير(۷)
>
> خطابت گفتگو اور تخاطب کی مختلف انواع میں سے ایک نوع، نثر کی اقسام میں سے ایک قسم، اور فنون کے متفرق رنگوں میں سے ایک رنگ ہے جمہور، عامۃ الناس کو اپنی جانب متوجہ اور مائل کرنے اور اثر پذیری کے لئے اس فن سے کام لیتے ہیں۔
>
> اس تشریح کی رو سے اس کی تعریف یہ قرار دی جاتی ہے۔

فن مخاطبة الجماهير للتاثير عليهم واستمالتهم۔ (۸)

یہ جمہور کے مخاطبت کا ایک فن ہے، جسے وہ لوگوں کو اپنی جانب راغب کرنے اور ان پر اثر انداز ہونے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

بعض نے اس تعریف کے آخر میں بکلام بلیغ کا اضافہ بھی کیا ہے۔(۹)

فن خطابت کے مولد یونان کے فلسفی ارسطو نے خطابت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

القدرة على النظر فى كل ما يوصل الى الاقناع فى اى مسئالة من المسائل(۱۰)

خطابت ایسا ملکہ ہے جس کے ذریعے ان تمام امور پر نظر رہتی ہے جو سامعین کو ہر مسئلے میں مطمئن کرنے کے لئے درکار ہیں۔

اور ابن رشد کہتا ہے:

هى قوة تكلف الاقناع الممكن فى كل واحد من الاشياء المفردة(۱۱)

خطابت اس قوت کا نام ہے جس کی وجہ سے خطیب اشیائے مفردہ میں سے ہر ایک کے بارے میں سامعین کو مطمئن کرنے کے لئے درکار تمام امور پر قدرت رکھتا ہے جبکہ ایک تعریف یوں کی گئی ہے۔

هى كلام منثور مؤلف يخاطب به الفرد الجماعة قصد الاقناع(۱۲)

خطابت ایسا منضبط و مرتب کلام ہے، جس کے ذریعے کوئی فرد قائل کرنے کے غرض سے کسی جماعت کو خطاب کرتا ہے۔

سعدی ابوحبیب نے یہی بات زیادہ واضح الفاظ میں کی ہے، اس کے الفاظ ہیں:

الخطبة الكلام المنثور يخاطب به متكلم فصيح جمعا من الناس لاقناعهم۔(۱۳)

خطبہ اس کلام منثور کو کہتے ہیں جس کے ذریعے ایک فصیح و بلیغ متکلم لوگوں کے مجمع سے، ان کو قائل کرنے کے لئے ہم کلام ہوتا ہے۔

عہدِ حاضر کا ایک محقق توفیق الواعی ارسطو اور ابن رشد کی مذکورۃ الصدر تعریفوں کے مقابلے میں اوپر بیان ہونے والی تعریف کو زیادہ مناسب قرار دیتا ہے، کیونکہ ان دونوں کی بیان کردہ تعریفوں میں یہ بنیادی کمی محسوس ہوتی ہے کہ وہ ایسے خطیب کے گرد گھومتی ہیں، جو دوسروں کو قائل کرنے کی دولت سے بخوبی مالا مال ہو، اور فن خطابت اور مجمع پر اثر انداز ہونے میں کمال کا رسوخ رکھتا ہو، حالانکہ عام خطابت سے یہ مفہوم مراد نہیں لیا جاتا۔(۱۴) یہی بات زیادہ مناسب اور عقل کے زیادہ قریب ہے، کیونکہ اس صورت میں عموم ہے، ورنہ خطابت کا دائرہ کار بہت محدود قرار پائے گا۔

منطقیوں اور حکما کے ہاں خطابت کی تعریف یہ ہے۔

القياس المؤلف من المظنونات او المقبولات، لترغيب الناس فيما ينفهم من امور معاشهم او معاد هم۔ (۱۵)

خطابت ایسا قیاس ہے جو مظنونات سے یا مقبولات سے مرکب ہو، تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو ان کے معاش و معاد سے متعلق امور میں نفع مند امور کی جانب متوجہ کیا جا سکے۔

اور ابو زہرہ کہتے ہیں:

وهي على هذا صفة راسخة في نفس المتكلم يقتدر بها على التصرف في فنون القول لمحاولة التا ثير في نفوس السامعين، وحملهم على مايراد منهم بترغيبهم اقناعهم، (۱۶)

یہ ایسی صفت کو کہتے ہیں جو متکلم میں راسخ ہوتی ہے، اور اس کے ذریعے وہ سامعین کے قلوب و اذہان کو مسخر کرنے اور اپنی بات اُن کے دل و دماغ میں بٹھانے پر قادر ہوتا ہے، اور انہیں جس بات کی بھی ترغیب دینا چاہتا ہے، یا انہیں کسی بات پر قائم کرنا چاہتا ہے اس پر قدرت رکھتا ہے۔

خطابت اور منطق

ابن سینا کے بقول حکما نے خطابت اور شعر دونوں کو منطق کی اقسام میں شمار کیا ہے، کیونکہ منطق سے اصل مقصود تصدیق تک پہنچنا ہوتا ہے، سو اگر تصدیق کا وقوع یقینی ہو، تو وہ برہان ہے، اور اگر ظنی یا صدق پر محمول کرتے ہوئے ہو تو وہ خطابت (یہاں خطابت سے مراد خطبہ ہے) ہے۔ رہا شعر تو اسے تصدیق تو نہیں

کہا جا سکتا، مگر چونکہ وہ تخیل کا فائدہ دیتا ہے، اس لئے اسے تصدیق کا قائم مقام ضرور قرار دیا جا سکتا ہے، اور اس اعتبار سے کہ وہ نفس میں مؤثر ہوتا ہے، اسے تصدیق تک پہنچانے والی اشیا میں شمار کیا جا سکتا ہے، لیکن ابو زہرہ اس مؤقف کو بیان کرنے کے بعد اس کی تردید کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ابن سینا کی بیان کردہ اس تفصیل سے تین مراتب سامنے آتے ہیں، پہلا مرتبہ یقین کا ہے، دوسرا ظنی قیاسات کا اور تیسرا شعر یعنی ذہنی تخیلات اور تصوراتی عجائب کا، اور ہم منطق کے علاوہ ان کی بیان کردہ تفصیل کو قبول نہیں کرتے، کیونکہ ہمارے نزدیک یہ بات درست نہیں کہ خطابت کے قیاسات ظنی ہیں، اور سب سے بلیغ خطبہ اسی کو تصور کیا جاتا ہے، جس میں حقائق کا احاطہ منطقی قیاسات اور براہین کے ذریعے کیا گیا ہو، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خطابت میں امور ظنیہ پر اکتفا کیا جاتا ہے، لیکن اس میں اقوال صادقہ اور حکمت صائبہ کی استعانت شامل ہوتی ہے، اور اس صورت میں اگر ایسا نہ کیا جاتا تو محض عقل و وجدان کے ذریعے حقائق تک رسائی ممکن نہ ہوتی، اور کبھی کبھی خطیب شاعرانہ تخیل اور انشا پردازی کے زور پر اپنی خطابت کے جوہر دکھاتا ہے، اور حقائق کو شعری اسلوب میں پیش کرنے کی سعی کرتا ہے، اس اعتبار سے خطابت کو تین عناصر سے قوت حاصل ہوتی ہے، اور یہ تینوں عناصر اس کے لئے تازہ چشمۂ آبِ حیات کا درجہ رکھتے ہیں، ۱۔ منطق اور یقینی قیاسات، ۲۔ ظنیات اور اقوال حکمت، ۳۔ تخیلات اور شعری اسلوب، اور صحیح معنی میں خطابت اس وقت درجۂ کمال کو پہنچتی ہے، جب وہ ان عناصر ثلاثہ سے مزین ہوتی ہے، اور اس وقت وہ خطبہ ایک پرتاثیر اور بارونق خطبے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔(۱۷)

اس بنا پر توفیق الواعی نے اس بحث پر تبصرہ کرتے ہوئے بالکل درست کہا ہے کہ ''ان لوگوں یعنی حکماو منطقیین نے خطابت کو منطق کے ساتھ خلط کر دیا ہے''(۱۸) اور وہ آگے مزید کہتے ہیں:

والحق ان علم المنطق قدیخدم الخطابة ولکن لایصح ان یکو ن هو الخطابة اوتکون الخطابة جزاء منه (۱۹)

اور صحیح بات یہ ہے کہ علم منطق خطابت کے لئے مددگار اور معین ضرور ہے مگر یہ کہنا درست نہیں کہ علم منطق بعینہٖ علم خطابت ہے، یا خطابت منطق کا حصہ ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں عباد محمود العقاد کی رائے بھی قابل غور ہے، وہ لکھتے ہیں:

اما الخطابة فقد کانت فیه من صفات البینة الفطرة فلم تکن من صفات الذهن و کفٰی، فکان له فم یمتلیء بالکلام حین

یخطب کانہ خلق یقول ولو حظ علیہ انہ کان ینطق ببعض الحروف، کالصاد من کلام شد فیہ، وھو ینطق فی الا غلب من مثل ق واحد (۲۰)

درحقیقت خطابت ایک علم ہے، اور دوسرے علوم کی طرح اس میں کمال حاصل کرنے کے لئے اس پر مکمل عبور نہایت ضروری ہے۔ اس علم کے اصول و قوانین ہیں جن پر عبور حاصل کر کے ہی کسی شخص کو خطیب کہا جاسکتا ہے۔ علم خطابت صرف راہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر طالب کو خطیب بھی بنا دے، اس کی حیثیت ایک چراغ کی سی ہے، جو راہنمائی تو کرتا ہے مگر روشنی کا ضامن نہیں ہوتا، اسی طرح اس فن کے حصول میں بھی کبھی کوئی خامی رہ جاتی ہے، جس کے سبب وہ خطیب نہیں بن پاتا، یہ علم اس خطیب کو آلہ تو مہیا کرتا ہے، لیکن بسا اوقات وہ اس کے استعمال پر قادر نہیں ہوتا، ہمیں جہاں تک موجود معلومات کا علم ہے اس کے مطابق خطابت پر سب سے قدیم کتاب ارسطو کی ''الخطابہ'' ہے، مگر وہ خود خطیب نہیں تھا، بلکہ جاحظ تو اس کے بارے میں کہتا ہے کہ **بکنی اللسان، غیر موصوف بالبیان** (۲۱) وہ نہایت قلیل الکلام تھا، اور تقریر او رگفتگو کے حوالے سے معروف نہ تھا۔

اور یہ کوئی خاص علم خطابت ہی کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ ہر علم کا یہی حال ہے، مثلاً علم النحو ہرگز اس امر کی ضمانت فراہم نہیں کرتا کہ اس کو پڑھ لینے سے انسان فصاحت کے ساتھ عربی زبان میں گفتگو پر قادر ہو جائے گا، جب تک کہ وہ اس کی مشق نہ کرلے، (۲۲)

اور محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک علم خطابت کی صحیح اور پسندیدہ تعریف یہ ہے:

وھو اصول و قواعد ترشد الانسان الی فن مخاطبۃ الجماھیر بطریقۃ القائہ تشتمل علی الاقناع والاستمالۃ۔ (۲۳)

خطابت ایسے چند اصول وقواعد کا نام ہے، جن کے ذریعے انسان ایک جم غفیر سے مخاطب ہونے کے لئے راہنمائی حاصل کرتا ہے۔

منطق کے ساتھ ساتھ علم النفس اور علم الاجتماع کا بھی علم الخطابۃ سے تعلق بیان کیا جاتا ہے، اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ خطیب اپنے مقاصد اس وقت تک کما حقہا حاصل نہیں کرسکتا، جب تک کہ اسے علم النفس یا (Psychology) نفسیات کا علم نہ ہو کیونکہ مخاطبین کے احساسات ومحسوسات کو جانے بغیر ان کے قلوب واذہان کو متاثر نہیں کیا جاسکتا، اور جب تک خطیب کو انسانی طبائع اور اس کی مختلف کیفیات وخصوصیات کا

علم نہ ہو اس وقت تک خطیب کی کامیابی مشکل ہے، دوسری بات یہ ہے کہ علم النفس علم التربیت کے لئے بنیادی ستون کی اہمیت رکھتا ہے، اسلئے اسکی اہمیت علم خطابت کے لئے بھی مسلمہ ہے، کیونکہ دونوں کا مقصد ایک ہے، اس اعتبار سے علم خطابت کا علم نفسیات سے بڑا قریبی اور گہرا تعلق ہے۔ (۲۴)

اسی طرح علم الاجتماع (Sociology) یا معاشرتی علوم بھی خطابت سے قریبی تعلق رکھتے ہیں، فارابی کے بقول جب خطیب کسی شئی کی غایت تک پہنچنے کا ارادہ کرے، اور اپنے امور کو بہ حسن اہتمام ادا کرنے کا خواہشمند ہو تو اسے چاہئے کہ وہ لوگوں کی طبیعتوں، ان کے اخلاق کی رنگا رنگی اور ان کے متضاد اخلاق کا بخوبی جائزہ لے، اور افلاطون کا کہنا ہے کہ ہر امر کی ایک حقیقت ہوتی ہے، اور ہر زمانے کا ایک خاص طرز و طریق ہوتا ہے۔ اور ہر انسان کی ایک مخصوص فطرت ہوتی ہے، اسلئے تم لوگوں کے ساتھ ان کے طبائع کے موافق برتاؤ کرتے رہو، امور کی حقیقتوں کے متلاشی رہو، اور زمانے کے مزاج و طرز کو اختیار کرتے رہو، اس لحاظ سے ان قوانین کی پاسداری کسی بھی خطیب کے لئے بڑی نفع بخش ثابت ہو سکتی ہے، اور علم الاجتماع سے واقفیت رکھنے والا شخص ہر طبقے اور ہر قسم کے لوگوں پر اثر انداز ہونے کی بھرپور صلاحیتیں رکھتا ہے، اس گفتگو کا خلاصہ یہی ہے کہ علم الاجتماع علم الخطابۃ سے قریبی تعلق رکھتا ہے، اور اس کے قوانین علم الخطابۃ سے ملتے جلتے ہیں۔ (۲۵)

موضوع

ابن رشد نے ارسطو کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ خطابت کا کوئی خاص موضوع نہیں ہے، ہر طرح کے موضوعات اس میں زیر بحث رہتے ہیں۔ بقول ابن رشد تھوڑی بہت بلاغت ہر انسان کو عطا ہوتی ہے، مثال کے طور پر تاجر کو دیکھئے، وہ اپنی چرب زبانی کے بل پر اپنی تجارت کو فروغ دیتا ہے، یہ بھی خطابت ہی کی ایک قسم ہے، (۲۶) مختصراً یہ کہ خطابت کو وہ وسعت حاصل ہے کہ اسے کسی حدود میں مقید نہیں کیا جا سکتا، خطابت کے موضوعات عام ہیں، جن میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں ہے، اگرچہ بعض حضرات نے اس کی اصطلاحات مقرر کی ہیں، اور اس کی اقسام و انواع متعین کی ہیں، (۲۷) جیسا کہ آگے اسکی کس قدر تفصیل آرہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خطابت ایک فن ہے، اور دیگر فنون کی مانند اس کی اپنی خصوصیات ہیں، اپنے اصول و قواعد ہیں، اپنا اسلوب ہے، اور رد و قبول کا اس کا اپنا ایک طے شدہ معیار ہے، ارسطو نے ان تمام پہلوؤں کو اپنے ایک پیرے میں بیان کیا ہے، اور خطابت کی تعریف پر ہونے والی اس گفتگو کو سمیٹتے ہوئے ہم اس کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں۔

الخطابة فن من فنون القول، يخاطب به الجمهور، ويتجه الى

الاقناع والاستمالة عن طريق السمع والبصر معا، فالقدرة على النظير في كل مايودي الى الأقناع اساس هذا الفن (۲۸)

خطابت فنونِ کلام میں سے ایک ایسا فن ہے جس سے جمہور کو خطاب کیا جاتا ہے اور یہ گوش و نگاہ دونوں ذرائع سے عوام کو بات کی قبولیت اور اس کی طرف میلان پر متوجہ کرتی ہے۔ اور اس حصولِ قبولیت کے ذرائع سے آگاہی اور اس پر قدرت حاصل کرنا اس فن کی بنیاد ہے۔

تاریخ خطابت

بلاشبہ خطابت انتہائی عظمت و فضیلت کا حامل فن ہے، اور اسے بڑا شرف حاصل ہے، کیونکہ اس سے مقصود لوگوں کو حقائق سے روشناس کرانا اور ان کی راہِ حق کی جانب راہنمائی کرنا ہے، اور ان کو ایسے امور سے باخبر کرنا ہے، جو ہر دور میں ان کے لئے سودمند ہوں، اسی بنا پر فن خطابت ہی کی بنیاد پر زمانہ قدیم میں سرداری کا انتخاب ہوا کرتا تھا، اور امارت و سیادت کی شرائط میں اسے اولیت حاصل تھی، اسی اعتبار سے یہ فن، صاحبِ فن کی شخصیت کی تکمیل کرتا ہے، اور اسے مجد و شرف سے سرفراز کرتا ہے، (۲۹)

خطیب عوام الناس کی جانب جب متوجہ ہوتا ہے، تو وہ اپنے اندازِ بیان، آواز کے اتار چڑھاؤ، الفاظ کی ادائیگی، اور اپنے بیان کی شگفتگی کے ذریعے سامعین و مخاطبین پر اثر انداز ہوتا ہے، وہ پڑھے لکھے، ان پڑھ دیدہ بینا رکھنے والے، بچے اور بڑے غرض ہر ایک سے مخاطب ہوتا ہے، اور قوائے بشریہ کو کام میں لاتے ہوئے ان کے ضمیر کو جھنجھوڑتا، انہی بھلائی کے کاموں کے لئے برانگیختہ کرتا، اور ان کو اپنا فرمانبردار و مطیع بنانے کے لئے ان کے سامنے دلائل و براہین کے انبار لگا دیتا ہے، وہ اپنے دلائل و براہین، پیرایۂ بیان بدل بدل کر اس طرح سامنے لاتا ہے کہ مجمع کو وہ جس طرف موڑنا چاہتا ہے موڑ دیتا ہے، جس رخ پر ڈالنا چاہتا ہے ڈال دیتا ہے (۳۰)

دکتور اشرف محمد موسیٰ لکھتے ہیں:

الخطابة فن من فنون الكلام، غايته اقناع السامعين واستمالتهم والتاثير فيهم، بصواب قضية أوبخطأ أخرى، والخطيب الماهر من يستطيع أن يلعب بهذه العناصر لعباً فنياً فهو يتخذ الوسائل المختلفة لاقناع السامعين ويستعين على الاقناع بالأدلة والبراهين، ثم هو يحرك عواطفهم

لاستمالتهم ويلعب بها، فهو يستطيع ان يهدى ثوارتهم إذاشاء، ويثير هم اذا اراد، ويستعين على الاستمالة بابراز، مافى نفسه من معان وافكار وقوى معنوية ثم يتوفى بلوغ موضع القبول من افهام الجماهير، وبلوغ موضوع الاهتمام من عقو لهم ويستعين على التاثير بقوة الاسلوب وبلاغته ونبرات الصوت، ودقة الاشارة و امارات الوجه من تعبير صامت يعزز مدلول الكلام (۳۱)

ڈکٹور عبداللطیف حمزہ کے بقول خبر رسانی کے ذرائع دو طرح ہیں، ا۔قدیم ،۲۔جدید۔قدیم ذرائع میں شعر، خطابت، مجالس اور بازاروں کے میلے شامل ہیں، جن کے ذریعے زمانۂ قدیم میں لوگ اپنے پیغامات، خیالات اور تاثرات عامۃ الناس کو منتقل کرتے تھے۔جدید دور میں ان کی جگہ اخبارات، ریڈیو، ٹی وی، سینما وغیرہ نے لے لی ہے، اور یہ سہولتیں آسانی سے لوگوں کو دستیاب ہیں، آج کے دور میں قدیم انداز ترسیل کامیاب نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ آج کل تو کسی خاص مقصد کے لئے لوگوں کو ایک مقام پر جمع بھی نہیں کیا جا سکتا، جبکہ پہلے زمانے میں یہ کام حکام اور امرا اپنی قوت کے بل پر کرگزرتے تھے، اس بنا پر اب نئے ذرائع کو مقبولیت حاصل ہو رہی ہے، اور ان کے استعمال میں اضافہ ہو رہا ہے، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ وہ تاثیر اور لطف جو ان پرانے ذرائع ترسیلِ خبر میں تھا، (مثلاً خطابت وغیرہ) وہ ان جدید ذرائع میں نہیں ہے۔(۳۲)

خطابت یونان میں خطابت کا جب ذکر کیا جاتا ہے، اور اس کی تاریخ بیان کی جاتی ہے تو بجا طور پر اس کا آغاز یونان سے کیا جاتا ہے، یونان زمانۂ قدیم میں علم و ادب اور فن و ثقافت کا گہوارا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ فن خطابت نے بھی اس دور میں بطور فن ترقی کی منازل طے کیں، اور اسی بنا پر فن خطابت پر قدیم دور کی جو سب سے پہلے کتاب ہم تک پہنچی ہے، وہ ارسطو کی الخطابۃ ہے، جو پہلے یونانی زبان میں تحریر کی گئی تھی۔اور بعد میں اس کا عربی و انگریزی زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا۔اور اکناف عالم میں اسکی شہرت درحقیقت عربی ترجمے کے بعد ہی پھیلی ہے۔(۳۳)

اگر چہ ارسطو کی الخطابۃ فن خطابت کو منطق کا ایک حصہ قرار دیتی ہے اور اس کی اسی حیثیت سے بحث کرتی ہے، مگر چونکہ فن خطابت سے کسی بھی پہلو اور کسی بھی حوالے سے گفتگو اور بحث کرنے والی وہ ہمیں معلوم تاریخ کے مطابق پہلی کتاب ہے، اس لئے بجا طور پر اسے فنِ خطابت پر اولین کتاب کے اعزاز اور

تقدیم کی فضیلت کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے۔

خطابت اتنی ہی قدیم ہے، جتنی کہ انسانیت کی تاریخ، اور فنِ خطابت کے اصول وضوابط کے متعلق بحث کرنے والے حضرات اس امر پر متفق ہیں کہ علم خطابت کی تدوین، اور اس کے اصول وقواعد کی تشکیل وترتیب سب سے پہلے اہلِ یونان کے ہاتھوں انجام پائی، اور پیرکلیس کے عہد میں اہلِ ٹینا کی زندگیوں میں خطابت اس طرح رچ بس گئی تھی کہ قولِ بلیغ اور مؤثر اندازِ گفتگو کے بغیر ان کو قائل کرنا ممکن ہی نہیں تھا، اس بنا پر لوگوں کا فصاحت معانی اور بلاغتِ کلام کی طرف رجحان بڑھا، اور ان میں فنِ مخاطبت کو حاصل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، وہ دور خطابت کے حوالے سے اس قدر تابناک تھا کہ اس دور میں خطابت کے بل پر اعلیٰ مناصب حاصل ہوتے تھے، اور خطابت ہی کو بنیاد بنا کر لوگ ترقی کے مدارج طے کرتے تھے، اور خطیب بڑی قدر ومنزلت کے حامل ہوتے تھے، ہر اہم فیصلے، مقدمات کی پیروی، قیادت کے معاملات، ریاستی امور، وعظ ونصیحت کے مواقع غرض تمام اہم امور کا دارومدار خطابت پر ہوتا تھا۔

اس دور میں خطابت اس قدر اہمیت اختیار کر گئی تھی کہ وہ زندگی کی ضرورتوں کا لازمی حصہ قرار دے دی گئی تھی، عدالتوں میں مقدمات کا فیصلہ خطابت ہی کی بنیاد پر ہوتا تھا، اس لئے عام لوگ اس امر کے خواہشمند ہوتے تھے کہ وہ اپنا مقدمہ زیادہ اہتمام اور بھرپور فصاحت وبلاغت کے ساتھ پیش کریں، اس بنا پر ایسے پیشہ ور خطبا بھی پیدا ہوگئے تھے جو فرمائش پر خطبات لکھ کر دیا کرتے تھے، اور لوگ عدالتوں اور کچہریوں میں اپنا مقدمہ زیادہ بھرپور انداز میں پیش کرنے کے لئے ایسے خطبا کی تلاش میں رہتے تھے، جو بہتر سے بہتر انداز میں ان کے مقدمے کو خطاب کا روپ دے سکیں، اور مقدمے میں ان کا پلا بھاری رہے۔

یونان کی اس عمومی فضا کا اثر یہ ہوا کہ دوسرے خطوں اور علاقوں سے خطبا بھی یونان کا رخ کرنے لگے، وہاں وہ مختلف موضوعات پر گفت وشنید کے مواقع تلاش کرتے، بحث ومباحثہ کی محافل آراستہ کرتے، اور فصاحت وبلاغت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا مقابلہ ہوتا، اس فضا کا اچھا اور تعمیری اثر یہ بھی ہوا کہ عام لوگوں میں بھی فنِ خطابت سے دلچسپی بڑھی، اور لوگوں میں اسے سیکھنے کا رجحان پیدا ہوا۔

جب فنِ خطابت سے لوگوں کا تعلق اس قدر بڑھا تو پھر فلاسفہ اس فن کے اصول وضوابط مرتب کرنے کی طرف بھی متوجہ ہوئے، اس کام میں سب سے پہلے سوفسطائیہ کا نام آتا ہے، جو اہلِ ٹینا کو اس فن کا باقاعدہ درس دیا کرتے تھے، اور سوفسطائیہ میں سے بھی سب سے پہلے ان تین افراد کا نام آتا ہے جنہوں نے اس فن کی تدوین وترتیب میں اہم کردار ادا کیا۔

۱۔ پروٹیکوس القوسی، م ۴۳۰ ق م، ۲۔ پروتا غوراس، م ۴۱۱ ق م، ۳۔ جورجیاس، م ۳۸۰ ق م

ان کے بعد ارسطو کا عہد آتا ہے، اور جیسا کہ ذکر ہوا اس نے فن خطابت میں الخطابۃ کے نام سے ایک کتاب تحریر کی، جو فن خطابت میں معلوم تاریخ کی پہلی کتاب ہے، جو آج بھی ہمارے درمیان کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے، اس کتاب کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ بعد میں اس موضوع پر داد تحقیق دینے والے بہت سے اہل قلم نے بنیادی طور پر اسی سے استفادہ کیا ہے۔

یونان میں خطابت کے بارے میں موجود اس فضا کا اثر رومیوں پر بھی پڑا اور وہاں بھی فن خطابت میں دلچسپی لی جانے لگی، اور یہ عالم ہوا کہ خطبا کے غول کے غول آتے تھے، اور ان سے مجالس اور محافل بھری ہوئی نظر آتی تھیں، یہ خطیب بڑے متحرک انداز کے ساتھ پر جوش اسلوب میں خطابت کے جوہر دکھاتے تھے۔ (۳۴)

خطابت عرب میں اہل عرب کا ایک اختصاصی تعارف یہ تھا کہ وہ لکھنے پڑھنے والی قوم نہ تھی، یعنی وہ امی تھے، کتابی علوم سے نا آشنا اور قلم و قرطاس سے بالکل نا بلد، بلکہ تیسری صدی ہجری کے ایک معروف مؤرخ بلاذری (۳۵) کے بقول پورے قریش میں آغاز اسلام میں صرف سترہ افراد ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے (۳۶) اگرچہ مکمل طور پر بلاذری کا بیان درست نہیں تسلیم کیا جا سکتا، موضوع کے استقصا اور کتب تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی قریش کی چار ہزار کی لگ بھگ آبادی میں ۲۹/۳۰ افراد ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، (۳۷) مگر اس سے اصل موضوع پر اثر نہیں پڑتا، لکھنے پڑھنے کا عام رجحان نہ ہونے کی بات بہر حال ثابت شدہ حقیقت ہے، اس بنا پر ابلاغ اور پیغام رسانی کے لئے عربوں نے بھی خطابت ہی کا سہارا لیا، اور اسے ایک مؤثر ذریعے کے طور پر اختیار کیا، ان کے پاس کتابی شکل میں کچھ محفوظ نہ تھا، جو کچھ تھا وہ بھی سینہ بہ سینہ چلنے والی روایات، دیدہ وروں کے مشاہدے، اور صاحبان حکمت کے تجربات، جنہیں وہ شعر و خطابت کے ذریعے آگے پہنچاتے رہتے تھے، اس بنا پر اگر یہ کہا جائے کہ جب اسلام آیا اس وقت ابلاغ کی دو ہی صورتیں رائج تھیں یعنی خطابت و شعر (۳۸)، تو یہ بات بالکل درست ہوگی، اس وقت اصل ذمے داری قاصد ہی کی ہوتی تھی، اور وہ بزور خطابت اپنا پیغام پہنچایا کرتا تھا، اس دور میں قاصد ''ناقل'' نہیں ''قائل'' ہوتا تھا، بعد میں بھی جب فن کتاب عربوں میں عام ہوگیا، عربوں نے کتابت سیکھ لی اور خطوط کا تبادلہ ایک معمول بن گیا، تب بھی یہ روایت برقرار رہی اور اس وقت بھی قاصد کے بارے میں یہ بات ملحوظ رکھی جاتی تھی کہ وہ فصیح اللسان ہو، تا کہ مافی الضمیر کو عمدہ اسلوب میں دوسروں تک پہنچا سکے، کیونکہ وہ عرب تھے اور

والعربی ذوبدیھۃ و ذوبیان (۳۹) اور عربی فی البدیہہ گفتگو کرنے والا اور صاحبِ بیان ہوتا ہے۔

ڈاکٹر احسان نصر زمانۂ جاہلیت میں خطابت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ فنِ خطابت کی پیدائش اور اس کی افزائش اس قدر قدیم ہے کہ اس کی ابتدائی تاریخ ابتدائی عرب ماحول سے جا ملتی ہے، البتہ یہ دیگر نثری انواعِ ادب کی مانند نظم (شعر) سے متاثر ہے، اس وقت ہمارے سامنے وہ نصوص وشواہد نہیں، جن کی بنیاد پر ہم یہ فیصلہ کر سکیں کہ اس فن کے ابتدائی مدارج اس کے مختلف ادوار اور خصائص وغیرہ کیا ہیں؟ کیونکہ اس وقت عرب پر ناخواندگی بہت غالب تھی، اور کتابت کا اس قدر رواج نہ تھا سوائے چند تجارتی اغراض کے فنِ کتابت سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا تھا، اس لئے ادبِ جاہلی کا ایک بہت بڑا حصہ ضائع ہوگیا، البتہ فنِ شعر میں سے بہت کچھ حصہ محفوظ رہا، کیونکہ اپنے مخصوص اوزان اور مخصوص لے کی وجہ سے اسے یاد رکھنا بہت آسان ہوتا ہے، ادبِ جاہلی کے کچھ فن پارے ضرور ہم تک پہنچے ہیں، مگر ان میں تحریف بہت ہوئی ہے، اس لئے محققین نے اسے رد کر دیا ہے، لیکن ان سے یہ بات ضرور پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ فنِ خطابت عصرِ جاہلی میں عربوں کے پاس موجود تھا.....اور اس وقت کی عرب قبائلی معاشرتی زندگی بھی اس کی محتاج تھی، کیونکہ قبائلی زندگی میں ہونے والے لڑائی جھگڑے، جنگیں اور تنازعات بعض اوقات مصالحت اور مذاکرات پر منتج ہوتے تھے۔ (۴۰)

عرب اپنی فصاحت و بلاغت پر اس حد تک نازاں تھے کہ وہ اپنے سامنے کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتے تھے۔ اور ان کا معیارِ فضیلت ہی فصاحت و بلاغت تھا، اور بقول جاحظ:

> **لان العرب اشد فخراً ببیانھا و طول السنتھا وتصریف کلامھا وشدۃ اقتدارھا، وعلی حسبِ ذالک کانت زرایتھا علی کل من قصّر عن ذالک التمام، ونقص من ذالک الکمال۔** (۴۱)
>
> کیونکہ عرب اپنے بیان، زبان دانی اور قدرتِ کلام پر سب سے زیادہ فخر کرتے تھے، یہی سبب ہے کہ اگر کوئی شخص اس خوبی سے محروم ہوتا، یا اس فن میں ناقص ہوتا، تو وہ اسے حقیر تصور کرتے تھے۔

اور حسنِ بیان اور بلاغتِ کلام سے محرومی کو اہلِ عرب کے ہاں ایک عیب اور قابلِ ملامت عیب تصور کیا جاتا تھا، ایک شاعر کہتا ہے۔

کفیٰ بالمرء عیبا أن تَریٰ لہ

وجـــــہ و لیــــــس لــــــہ لســــان

ومــــا حســـــن الــرجــال لهــم بـزيـن

اذالــــم يســـعـــد الـحسـن البيــا ن (۴۲)

انسان کے عیب دار ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ اگر تم اسے دیکھو تو تمہیں اس کا
چہرہ تو نظر آئے، مگر وہ زبان کے بغیر ہو۔ مردانہ حسن اس وقت تک باعث زینت
نہیں بن سکتا، جب تک اس کی تائید حسن بیان سے نہ ہوتی ہو۔

جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع کرنی چاہی تو حضرت معاویہ بن خدیج کو منتخب کیا، انہوں نے حضرت عمرو سے خط لکھنے کی درخواست کی تو فرمایا کہ کیا تم عرب نہیں ہو، کیا تم اپنا مشاہدہ بیان نہیں کر سکتے، کیا اپنی بات بیان کرنے پر تم قدرت نہیں رکھتے؟ (۴۳)

جب جلولاء مقام پر مسلمانوں کو فتح ہوئی تو امیر لشکر ہاشم بن عتبہ بن ابی الوقاص نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خوشخبری دینے کے لئے مال غنیمت خمس وغیرہ لے جانے والے قافلے میں چند آدمی ساتھ کئے، جن میں زیاد بن ابیہ جیسا خطیب بھی تھا۔ جب وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے زیاد سے جنگ کی کیفیت دریافت کی، انہوں جب واقعہ بیان کیا تو ان کے انداز بیان نے حضرت عمرؓ کو متاثر کیا، اور انہیں یہ انداز پسند آیا، ان کی خواہش ہوئی کہ عام مسلمانوں کو بھی اس واقعے کی اطلاع دی جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیاد سے پوچھا کہ کیا یہ واقعہ عوام الناس کے سامنے بھی بیان کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں، پھر انہوں نے عوام الناس کے سامنے پورا قصہ بیان کیا اور تفصیل سے بتایا کہ کیا قصہ پیش آیا؟ کتنے افراد قتل ہوئے؟ کتنا مال غنیمت ہاتھ آیا؟ اور کس طرح فتح حاصل ہوئی، اس کا انداز اس قدر فصیح و بلیغ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بول پڑے کہ **ان لهو الخطيب المقنع**(۴۴) بلاشبہ یہ ایک فصیح خطیب ہے۔

اسی طرح جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ افریقہ کو فتح کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، اور انہیں واقعے کی تفصیل سے آگاہ کیا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ان کا انداز پسند کیا، اور ان سے کہا کہ کیا آپ لوگوں کے سامنے یہ واقعہ بیان کرنا پسند کریں گے؟ انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین یہ بات میں آپ کے سپرد کرتا ہوں پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں افریقہ کی فتح نصیب فرمائی، اور عبداللہ بن زبیر اس کی تفصیل آپ کے سامنے بیان کریں گے، پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنا بیان شروع کیا، اور جب خطاب ختم کیا تو ان کے والد

حضرت زبیر رضی اللہ اٹھے، اور ان کی پیشانی چوم لی اور فرمایا کہ باکمال لوگوں کی اولاد بھی باکمال ہوتی ہے اور فرمایا کہ اے بیٹے تم ابوبکر کی زبان میں بول رہے تھے۔(۱۴۵)

دور جاهلی کے مشهور خطبا جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ دور جاہلی میں خطبا کی خاصی تعداد موجود تھی۔ ان میں سے اکثر اپنے اپنے قبائل کے سردار اور سربراہ ہوتے تھے۔ پھر یہ بھی ایک روایت تھی کہ ہر قبیلے کا ایک یا ایک سے زیادہ خطیب ہوتا تھا۔ اس دور کا مشہور ترین خطیب کعب بن لوئی ہے۔ اس کے علاوہ مشہور خطبا میں قیس بن سنان، خطیب داحس وغبراء، خویلد بن عمر الغطفانی، خطیب یوم الفجار، قس بن ساعدہ الایادی، اکثم بن صیفی، حاجب بن زرارہ التمیمی، الحارث بن عباد، قیس بن مسعود البکری، خالد بن جعفر، علقمہ بن علاثہ عامری، عار بن طفیل عامری، عمرو بن الفریدا السلمی، عمرو بن معدی کرب الزبیدی، قیس بن شماس، بنی قیلہ کے سعد بن ربیع، حارث بن ظالم المری، ابوعمار الطائی، خطیب مذحج، حارث بن کعب المذحجی، قیس بن زہیر العبسی اور حمیریوں کی ایک جماعت۔ ان میں سے مشہور یہ ہیں: دورید بن زید، زہیر بن خباب، مرثد الخیر، الصباح بن شفی اور غطفان ہی میں سے خویلد بن عمرو، عشراء بن جابر شامل ہیں، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے نام ملتے ہیں (۴۶) جن کا استقصا ان سطور میں ممکن نہیں۔

دور جاهلی میں خطیب کامقام اوپر بیان ہونے والے مباحث سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ خطیب کو عرب میں خاص مرتبہ حاصل تھا، لیکن اس کے باوجود عام تاثر یہ ہے کہ اہل عرب کی نظر میں شاعر کا مرتبہ زیادہ بلند تھا، کیونکہ اکثر اوقات قومی مفاخرت ومنافرت کے مواقع پر اسے قومی ترجمان کی حیثیت حاصل ہوتی تھی، لیکن خطیب کی ضرورت اور اہمیت کو پھر بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ابوعمرو ابن العلاء شاعر وخطیب کا موازنہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جاہلیت میں شاعر کو خطیب پر فوقیت حاصل تھی کیونکہ وہ لوگ شعرا کے محتاج تھے کہ شعرا ان کے مآثر اور رفعت شان کا تذکرہ کریں، ان کے دشمنوں کو خوفزدہ کریں، قوم کے شہسواروں سے دشمنوں کو ڈرائیں، اپنی قوم کی تعداد کی کثرت کی ہیبت ان کے دلوں پر بٹھائیں، ان کے شعرا کو ڈرائیں اور مرعوب کریں۔ لیکن جب شعرا کثرت سے ہوگئے اور انہوں نے شاعری کو ذریعہ معاش بنالیا، اور روہانسا زاری پن پر اتر آئے، اور لوگوں کی عزتوں سے کھیلنے لگے تو خطیب کو شاعر پر برتری حاصل ہوگئی۔(۴۷) جاحظ نے اسی رائے کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے:

وكان الشاعر ارفع قدرا من الخطيب وهم اليه احوج لرده

مآثرهم عليهم و تذكيرهم بايامهم، فلما كثر الشعراء وكثر

الشعر صار الخطیب اعظم قدراً من الشاعر۔ (۴۸)

زمانۂ جاہلی میں شاعر خطیب کی بہ نسبت زیادہ بلند مرتبے کا حامل ہوتا تھا، کیونکہ شاعر عربوں کی ضرورت تھے، تاکہ وہ ان کی بزرگی کو بیان کریں اور ان کے شاندار ماضی کو یاد کرکے اس پر فخر کریں، لیکن جب شعرا کثرت سے ہوگئے تو خطیب کی قدر و منزلت شاعروں سے بڑھ گئی۔

درحقیقت یہاں ایک اور امر ہمارے پیش نظر رہنا چاہئے وہ یہ ہے کہ عرب معاشرے میں شاعر وخطیب میں ایک معاشرتی فرق موجود تھا۔ خطیب اکثر قوم کا سربراہ اور قبیلے کا سردار ہوتا تھا، جب کہ شاعر کے لیے یہ امر ضروری نہیں تھا۔ اس بنا پر شاعر و خطیب کو ایک سطح پر نہیں رکھا جا سکتا۔ (۴۹)

شاعر اور خطیب کا تقابل عربوں کے ہاں بنیادی طور پر نثر کو جو بھی حیثیت حاصل رہی ہو اس سے قطع نظر شاعر اور شاعری کو عرب معاشرے میں بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ اور آج ہم تک پہنچنے والا ادب عربی کا سرمایہ اس کا واضح ثبوت ہے، لیکن اس کے باوجود ایک حقیقت ہمارے پیش نظر ضرور رہنی چاہئے کہ شعر کا یاد کرنا اور اسے عرصہ دراز تک محفوظ رکھنا عام نثری عبارتوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ سہل ہے۔ قلقشندی نے اس حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے بالکل صحیح نشان دہی کی ہے، وہ کہتا ہے:

واعلم انه كان للعرب بالخطبة والنثر غاية الاعتناء، حتى قال صاحب الريحان والريعان ان ماتكلمت به العرب من اهل المدر والوبر من جيد المنثور ومزدوج الكلام اكثر مما تكلمت به من الموزون، الا انه لم يحفظ من المنثور عشره، لأن الخطيب انما كان يخطب في المقام الذي يقوم فيه في شافية الملوك والحمالات او الاصلاح بين العشائر، أو خطبة النكاح فاذا انقضى المقام حفظه من حفظه، ونسيه من نسيه، بخلاف الشعر فانه لا يضيع منه بيت واحد، وليس ما اشار اليوم صاحب الريحان والريعان لرفض النثر عندهم وقلة اعتناء هم به، بل بسهولة حفظ الشعر، وشيوعه في حاضرهم و باديهم وخاصهم و عامتهم، بخلاف الخطابة، فانه لم

یتعاطها منهم الا القلیل والنادر من الفصحاء المصاقع، فلذلک عن حفظها، وقل عنهم نقلها۔(۵۰)

عربوں کے ہاں خطبوں اور نثر کی دیگر اصناف کے ساتھ انتہائی اعتنا کیا جاتا تھا۔ اور صاحب ''الریحان والریعان'' کے بقول عرب شہریوں اور بدوؤں کی عمدہ نثر اور بلند پایہ گفتگو کی مقدار ان کی شاعری سے زیادہ ہے، لیکن نثر کا دسواں حصہ بھی محفوظ نہیں رہا، جبکہ شاعری کا دسواں حصہ تک ضائع نہیں ہوا۔ اس لئے کہ خطیب عام طور پر بادشاہوں کے سامنے یا حملوں کے وقت یا قبائل میں صلح کرانے کے لئے یا نکاح کے موقع پر خطبہ دیتا تھا۔ پھر جب وہ موقع گزر جاتا تو کچھ لوگ اسے یاد رکھتے اور کچھ بھول جاتے۔ اس کے برعکس اشعار میں سے ایک بیت بھی ضائع نہ ہوتا۔ صاحب الریحان والریعان نے جس بات کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ عرب نے نثر کو ترک کر دیا تھا یا نثر بے توجہی کا شکار ہوگئی تھی بلکہ امر واقع یہ ہے کہ شعر یاد رکھنا آسان تھا اور شہریوں، دیہاتیوں اور خواص وعوام میں شعر کا عام چلن تھا۔ بخلاف خطابت کے کہ اس میں صرف بلند آواز اور فصیح وبلیغ لوگ ہی مہارت حاصل کر پاتے تھے، اسی لئے خطابت کا یاد کرنا مشکل ہوگیا اور اس کے نمونے بہت کم نقل ہو سکے۔

جاہلیت میں اقسامِ خطابت

یہاں مناسب ہے کہ دورِ جاہلیت میں خطابت کی اقسام کا بھی جائزہ لیا جائے، تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ خطابت کس نوعیت کی تھی؟ اور اس کے مقاصد ومناہج کیا تھے؟

اس دور کی قبائلی زندگی آج کی متمدن طرزِ حیات سے بہت مختلف تھی، وہ اپنی حقیقی ضروریاتِ زندگی تک محدود تھی، اس میں بعد کی رنگ آمیزی، مضامین آفرینی اور خطیبانہ سحر انگیزی کے دیگر لوازم شامل نہیں ہوئے تھے، یہی وجہ ہے کہ آج کے سیاسی خطبے اور دقیق و پر معنی دینی مواعظ ہمیں اس دور میں نظر نہیں آتے، بلکہ جاہلی خطابت کی مختلف صورتیں اور شکلیں اجتماعی خطابت میں مرتکز تھیں۔ ذیل میں ان چند اقسام کا ذکر کیا جاتا ہے، جو اس وقت عام تھیں۔

خطبات تفاخر قبائلی زندگی نے انہیں حسب نسب اور ذاتی فضیلتوں پر اظہارِ تفاخر کا خوگر

بنا دیا تھا، اس مفاخرت پر مشتمل خطبات کا ایک بڑا حصہ ہم تک کتب ادب کے ذریعے پہنچا ہے، اس کی ایک مثال قعقاع بن معبد التمیمی اور خالد بن مالک النہشلی کے مابین مناقشاتی مکالمہ ہے، جس کے منصف ربیع بن حذار اسدی تھے، اور ایک مشہور مثال علقمہ بن عُلاثہ اور عامر بن طفیل کے مابین ہونے والا مناظرہ ہے، جس کے حکم ہرم بن قطبۃ الفزاری تھے، اس منافرت کی بنیاد اس امر پر تھی کہ دونوں بنی عامر کی سرداری کے استحقاق کا دعویٰ رکھتے تھے، اور اس غرض سے اپنے اپنے مناقب بیان کر رہے تھے، اور فریق ثانی کو نیچا دکھانے کی کوششوں میں مصروف تھے، مثال کے طور پر عامر نے کہا۔

واللہ انی لاکرم منک حسبا واثبت منک نسباً، واطول منک قصباً، انی واللہ لارکب منک فی الحماۃ واقتل منک للکماۃ وخیر منک للمولیٰ والمولاۃ۔

خدا کی قسم میں تم سے حسب کے اعتبار سے زیادہ شریف، بلحاظ نسب زیادہ پاک، مرتبہ و جاہ میں تم سے زیادہ آگے ہوں، لڑائی میں تم سے بڑا شہسوار، بہادروں کو قتل کرنے میں تم سے بڑھ کر اور غلام اور باندیوں کے لیے تم سے زیادہ بہتر ہوں ۔

اس کے جواب میں علقمہ نے کہا:

انا انحر منک للقاح، وخیرٌ منک فی الصباح، واطعم منک فی السنۃ الشیاع. واللہ انی لبر وانک لفاجر وانی لولود وانک لعافرٌ وانی لعف وانک لعاھر و انی لوفی وانک لغادر، فبم تفاخرنی یا عامر۔

میں مصائب و شدائد میں تم سے زیادہ قربانی دینے والا ہوں، اور صبح کے وقت میری زندگی تمہاری بہ نسبت بہترین ہوتی ہے، اور قحط کے ایام میں تم سے زیادہ کھانا کھلانے والا ہوں، اللہ کی قسم میں نیک ہوں تم فاجر ہو، میں صاحب اولاد ہوں اور تم بے اولاد ہو۔ میں پاکباز ہوں تم بدکار ہو، میں وفا شعار ہوں تم غدار ہو، سوائے عامر! تم کس بات میں مجھ پر فخر کر رہے ہو۔

اس مناظرے کا فیصلہ برابری پر ہوا۔(۵۱)

جنگ و جدال کے خطبے چونکہ عرب میں قبائلی لڑائیاں عام تھیں، اس لئے جنگ و

جدال کے خطبے کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔اس نوعیت کا ایک اہم خطبہ ہانی بن قبیصہ الشیبانی کا ہے، جس نے یوم ذی قار کی لڑائی کے لئے اپنی قوم کو برانگیختہ کیا تھا۔اس نے بنی بکر کو مخاطب کر کے کہا تھا:

یا معشر بکر، ھالک معذور خیر من ناج فرور، وان الحذر لا ینجی من القدر، وان الصبر من اسباب الظفر، المنیة ولا الدنیة، یا معشر بکر، استقبال الموت خیر من استدبارہ، الطعن فی ثغور النحور اکرم منه فی الاعجاز والظهور، یا ال بکر! قاتلوا فما للمنا یا من بد۔ (۵۲)

اے خاندانِ بکر! معذوری کے سبب سے مر جانے والا، جان بچا کر بھاگ جانے والے سے یقیناً بہتر ہے، بلاشبہ احتیاط تقدیر سے نجات نہیں دے سکتی۔اور صبر تو کامیابی کا ذریعہ ہے۔ذلت کی زندگی پر موت کو ترجیح دو۔اے خاندانِ بکر! موت کا (خوش دلی سے) سامنا کرنا اس کے پیچھے سے آنے سے بہتر ہے۔کلیوں اور پیٹھوں پر نیزے کھانے سے سینوں پر نیزے کھانا زیادہ عزت کا باعث ہے۔اے آلِ بکر! تم جنگ کرو کہ موت سے نجات کی اب کوئی صورت نہیں

اصلاحی خطبے عوام الناس کی اصلاح، صلح و خیر کی طرف دعوت دینے اور لڑائیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے بھی خطابت سے کام لیا جاتا تھا،اس سلسلے کی مشہور مثال حرب داحس وغبراء کی ہے، جو عصر جاہلی کی مشہور ترین جنگ سمجھی جاتی ہے، اس موقع پر قیس بن خارجہ نے مشہور سردار مرشد کی دعوت پر اس لڑائی کو روکنے کے لئے خطبہ دیا تھا (۵۳) تاریخ میں اس خطبے کے الفاظ اس طرح ملتے ہیں۔

لا تنشطوا عقل الشوارد ولا تلقحوا العون القواعد ولا تورثوا نیران الاحقاد، ففیها المتلفة المستاصله والجائحه والالیله وعفوا بالحلم ابلاد الکلم وانیبوا الی السبیل الارشد والمنهج الاقصد، فان الحرب تقبل بزبرج الغرو وتدبر بالویل والثبور۔(۵۴)

تم نرم رسی میں گرہ مت لگاؤ، اور لڑائی کی آگ نہ بھڑکاؤ۔کینے مت بڑھاؤ، کیوں کہ تم اس میں تلف ہو جاؤ گے اور تمہاری بیخ کنی کر دی جائے گی۔لڑائی بڑی ہی

ہلاکت خیز ہے، بہت سخت ہے۔ زخموں کے نشانات کو بردباری سے مندمل کردو۔ راہِ راست کی طرف لوٹ جاؤ۔ میانہ روی اختیار کرو، کیونکہ لڑائی ایک حسین شکل میں آتی ہے اور ہلاکت وتباہی چھوڑ جاتی ہے۔

اس خطبے کے بارے میں قیس بن خابجہ سے یہ بھی منقول ہے کہ اس نے دن کے آغاز سے قبل کہا تھا

عندی قری کل نازل، ورضا کل ساخط، و خطبة من لدن تطلع الشمس الی ان تغرب، آمر فیها بالتواصل وانهی فیها عن التقاطع

میرے پاس ہر آنے والے کے لئے مہمانی اور ہر ناراض کے لئے رضامندی کا سامان ہے، اور ایک ایسا خطبہ ہے جو طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک جاری رہے گا، میں اس میں صلہ رحمی کا حکم دوں گا اور قطع تعلقات سے منع کردوں گا

اور راوی کا بیان ہے کہ اس نے ایسا ہی کیا، اس کا خطبہ صبح سے رات تک جاری رہا اور خاص بات یہ ہے کہ اس نے اس دوران میں نہ کوئی جملہ دوبارہ ادا کیا، نہ اپنے کسی جملے کے مفہوم ہی کو مکرر ادا کیا۔ (۵۵)

نکاح وغیرہ کے خطبے دورِ جاہلیت میں بھی عربوں کے ہاں نکاح کے خطبے دینے کا رواج تھا، اس میں یہ صورت ہوتی تھی کہ پہلے مرد کی جانب سے کوئی شخص خطبہ دیتا تھا، اس کے بعد عورت کی طرف سے ایک شخص اس خطبے کا جواب دیتا تھا۔ تاریخ میں اس نوعیت کے بہت سے خطبے موجود ہیں۔ (۵۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا نکاح جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا، اس کی ایک عمدہ مثال ہے، آپ کی جانب سے اس نکاح کا خطبہ آپ کے چچا ابو طالب نے پڑھا تھا، یہ خطبہ تمام وکمال کتب سیرت و تاریخ میں محفوظ ہے، اس کے الفاظ یوں آتے ہیں:

الحمد لله الذی جعلنا من ذریة إبراهیم وزرع إسماعیل وضئضیء معد مُضر، وجعلنا حضنة بیته وسواس حرمه، وجعل لنا بیتا محجوجا وحرماً آمنا وجعلنا حکام الناس ثم إن ابن اخی هذا محمد بن عبد الله لایُوزن به رجل به شرفا ونُبلاً وفضلا وعقلاً وإن کان فی المال قلا فان المال ظل زائل وامر حائل و عاریة مُسترجعة، وهو والله بعد هذا له نباعظیم وخطر

جليل، وقد خطب إليكم رغبة في كريمتكم خديجة وقد بذل لها من الصداق حكمكم عاجله وآجله اثنتا عشرة اوقية ونشا. (۵۷)

حمد و ثنا اس خدائے برتر کی جس نے ہمیں ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کے فرزند اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد میں بنایا۔ ہمیں معد و مضر کی پاک اصل سے پیدا کیا، اپنے گھر (خانہ کعبہ) کا نگہبان اور اپنے حرم کا پیشوا بنایا۔ ہمیں ایسا گھر عطا فرمایا کہ اطراف و جوانب سے لوگ اس کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ ایسا حرم عنایت فرمایا کہ جو شخص اس میں آجائے وہ امان میں ہو جاتا ہے اور ہمیں لوگوں پر حَکم (فیصلہ کرنے والا) مقرر کیا۔ اما بعد! یہ میرے بھائی کا لڑکا محمد بن عبداللہ (ﷺ) ہے، یہ ایسا جوان ہے کہ شرافت و بزرگی اور فضیلت و عقل کے اعتبار سے قریش کا کوئی بھی جوان اس کی برابری نہیں کرسکتا، اگرچہ مال میں یہ کم ہے۔ مگر مال ایک ڈھلتی چھاؤں ہے، اور ایک امر حائل ہے۔ اور ایک واپس کی جانے والی چیز ہے، اور خدا کی قسم آنے والے وقت میں محمد (ﷺ) کی شان عظیم اور مرتبہ بلند ہوگا، انہوں نے خدیجہؓ کی شرافت کی بنا پر ان میں رغبت رکھتے ہوئے ان سے نکاح کی خواہش کی ہے اور ان کا مہر بارہ اوقیہ چاندی اور بیس درہم مقرر کیا ہے۔

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے ورقہ بن نوفل نے خطبے کا جواب دیا:

الحمد لله الذي جعلنا كما ذكرت، وفضلنا على ماعددت، فنحن سادة العرب وقادتها، وانتم اهل ذلك كله لاينكر العرب فضلكم، ولا يرد احد من الناس فخركم وشرفكم ورغبتنا في الاتصال بحبلكم وشرفكم، فاشهدوا على معاشر قريش إني قد زوجت خديجة بنت خويلد من محمد بن عبد الله و ذكر المهر۔ (۵۸)

حمد و ثنا اسی خدائے برتر کی جس نے ہمیں ویسا ہی بنایا جیسا کہ ابو طالب نے بیان کیا اور ہمیں وہ تمام فضیلتیں عطا فرمائیں جن کا انہوں نے ذکر کیا۔ پس ہم لوگ

تمام عربوں میں سب سے بہتر اور ان کے پیشوا ہیں اور آپ لوگ تمام فضائل کے اہل ہیں۔ کوئی جماعت آپ کے فضائل کا انکار نہیں کر سکتی اور کوئی شخص آپ کے فخر و شرف کا منکر نہیں ہو سکتا اور بیشک ہم لوگوں نے نہایت رغبت سے آپ کے ساتھ شامل ہونے اور ملنے کو پسند کیا۔ پس اے قریش! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہؓ بنت خویلد کو محمد (ﷺ) بن عبداللہ کی زوجیت میں دے دیا۔

اس دور میں اس طرز کے خطبات کے لئے چند آداب بھی مقرر تھے، جاحظ کہتا ہے:

والسنة فی خطبة النکاح ان یطیل الخاطب و یقصر المجیب(۵۹)

خطبۂ نکاح میں طریقہ یہ تھا کہ پہلے خطاب کرنے والا (لڑکے کا نمائندہ) خطبہ طویل دیتا، اور اس کا جواب دینے والا (لڑکی کا نمائندہ) اپنے خطبے میں اختصار سے کام لیتا تھا۔

جاحظ نے عورتوں کی جانب سے دیئے جانے والے جوابی خطبے کا نمونہ بھی ذکر کیا ہے، جو کچھ اس طرح ہے:

باسمک اللھم، ذکرت فلانة، وفلان بھا مشغوف، باسمک اللھم، لک ماسألت ولنا ماأعطیت۔ (۶۰)

خطبات وعظ و ارشاد اسی طرح اس دور میں خطبات وعظ وارشاد بھی دیئے جاتے تھے، جن میں عامۃ الناس کی توجہ اصلاحی امور کی طرف مبذول کرائی جاتی تھی، اس میں حکمائے وقت اور صلحائے قوم وعظ کیا کرتے تھے، تاریخ میں ایسے بہت سے خطبا کا ذکر ملتا ہے، ان میں زیادہ معروف نام قیس کا ہے، بعض خطبے کعب بن لوی کی جانب بھی منسوب ہیں، لیکن محققین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ خطبے بعد میں ترتیب دیئے گئے ہیں، اور ان کی صحت مشکوک ہے، اس لئے ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ (۶۱)

قیس بن ساعدہ نے ایک بار عکاظ کے میلے میں کہا تھا:

ایھا الناس! اسمعوا ووعوا، من عاش مات ومن مات فات، وکل ماھو اتٍ اتٍ، لیل داج ونھار ساج وسماء ذات ابراج، ونجوم زمرد، بحار تزخر وجبال مرساة وارض مدحاة ونھار

حجرة، وان فی السماءِ لخبراً، وان فی الارض لعبراً، مابالُ الناسِ یذھبون ولا یرجعون، ارضوا فاقاموا ام ترکوا فناموا. اُقسم باللہ قسما لا اثم فیہِ ان للہِ دینا ھوا ارضٰی لہ وافضل من دینکم الَّذی انتم علیہ، انکم تاتون من الامرِ منکراً۔ (۶۲)

لوگو! سنو اور یاد رکھو جو زندہ ہے وہ مرے گا، جو مرے گا وہ دنیا سے چلا جائے گا۔ جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا، یہ تاریک شب، یہ روشن دن، یہ برجوں والا آسمان، یہ جھلملاتے تارے، یہ موج در موج سمندر، یہ سر بفلک پہاڑ، یہ بچھی ہوئی زمین، یہ بہتی نہریں شاہد ہیں کہ آسمان میں کوئی خبیر ذات ہے اور زمین عبرت کا مرقع ہے۔ آخر یہ لوگ کہاں چلے جاتے ہیں کہ وہاں سے لوٹ کر نہیں آتے؟ کیا وہ وہاں اپنے رہنے پر رضامند ہو گئے یا دنیا چھوڑ کر سو گئے؟ میں ایک ایسی قسم کھا کر کہتا ہوں جس میں کوئی گناہ نہیں کہ اللہ کا ایک دین ہے جو تمہارے دین سے بہتر ہے اور اللہ کو وہی پسند ہے، یقیناً تم پر ایک ناگوار مصیبت آنے والی ہے

خطبات محافل و وفود ایک اہم قسم، عصرِ جاہلی کے خطبات کی وہ خطبے ہیں جو مختلف موسمی و سالانہ بازاروں، میلوں اور مختلف سرداروں و حکمرانوں کے سامنے پیش کئے جاتے تھے۔ ان میں بھی ذاتی و قبائلی تفاخر اور اپنے اعزازات و کمالات کا پر جوش بیان نمایاں ہوتا تھا۔ اس نوعیت کے بہت سے خطبے کتب ادب و تاریخ میں ملتے ہیں، مگر ان میں بھی وضعی اور بعد میں تراشے ہوئے خطبے بکثرت ہیں (۶۳) ان میں سے بہت سے خطبے عقد الفرید میں درج ہیں (۶۴) اس نوع کے خطبا میں اکثم بن صیفی کا نام نمایاں ہے

خطبات وصیت عرب میں ایک رواج یہ تھا کہ ایک شخص جب یہ محسوس کرتا تھا کہ میرا وقتِ آخر قریب ہے، تو وہ اپنے اہل قرابت، اپنے قبیلے والوں اور اعزا سے مخاطب ہو کر انہیں وعظ و نصیحت کرتا تھا۔ اور انہیں اس راہ پر چلنے کی تلقین کرتا تھا جو اس کی نظر میں بہتر ہوتی تھی، ایسی بہت سے وصیتیں کتب تاریخ و ادب نے اپنے دامن میں جمع کی ہیں اہم ترین وصیتوں میں عامر بن الظرب العدوانی کی اپنی قوم کو وصیت (۶۵) اکثم بن صیفی (۶۶) کی اپنی قوم کو وصیت اور امامۃ بنت حارث کی اپنی بیٹی ام ایاس کو وصیت شامل ہے، (۶۷) اس نوع کے وصایا کا ایک بہت عمدہ انتخاب احمد زکی صفوت نے اپنی کتاب جمہرۃ خطب العرب میں بھی کیا ہے۔ (۶۸) اکثم بن صیفی نے بنو تمیم کو وصیت کرتے ہوئے کہا تھا:

یا بنی تمیم الصبر علی جرع الحلم اعذب من جنی ثمر الندامة، ومن جعل عرضه دون ماله استهدف للذم و کلم اللسان انکی من کلم السنان، والکلمة مرهونة مالم تنجم من الفم فاذا نجمت فهی اسد محرب او نار تلهب، ورای الناصح للبیب دلیل لا یجوز و نفاذ الرای فی الحرب اجدی من الطعن والضرب (۶۹)

اے بنوتمیم! بردباری کی جرعہ کشی پر صبر، ندامت کے میوۂ تورس سے زیادہ شریں ہے۔اور جس نے اپنا مال بچانے کے لیے اپنی عزت کو داؤ پر لگا دیا وہ ہدف ملامت بن گیا، اور زبان کا زخم نیزے کے زخم سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ بات اس وقت محفوظ رہتی ہے جب تک زبان سے نہ نکلے اور جب زبان سے نکل گئی تو وہ پھاڑ ڈالنے والا شیر یا بھڑکتی ہوئی آگ میں جاتی ہے۔عقلمند ناصح کی رائے ایسے راہنما کی مانند ہے جو راستے سے نہیں بھٹکتا، اور لڑائی میں حسن رائے سے کام لینا نیزہ بازی اور شمشیر زنی سے زیادہ مفید ہے۔

خطبات کہان کہانت کا جاہلیت کے معاشرے میں اہم مقام تھا، اور کاہنوں کی مسجع و منقی گفتگو یا خطابت دور جاہلیت کی مخصوص خطابت تھی، جو ظہور اسلام کے ساتھ ہی ختم ہوگئی، کیونکہ اس کا تعلق بت پرستوں کے اس گروہ سے تھا جو دور جاہلیت میں یہ دعویٰ رکھتے تھے کہ ان کے تابع فرمان کچھ جن ہیں، جو غیب کی خبروں سے انہیں مطلع کرتے ہیں، اور عوام الناس ان کے پاس غیب کی خبریں اور اپنے خوابوں کی تعبیریں جاننے کی غرض سے جاتے تھے، اس قسم کے خطبوں کی بھی بہت سی مثالیں تاریخ کے اوراق میں درج ہیں، ان واقعات میں ہاشم بن عبد مناف اور اُمیہ بن عبدالشمس کی منافرت اور کاہن الخزاعی کی تحکیم کا واقعہ زیادہ دلچسپ ہے۔کاہن نے ان کے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا:

والقمر الباهر، والکواکب الزاهر، والغمام الماطر، وما بالجو من طائر، وما اهتدی بعلم مُسافر، من منجد وغائر، لقد سبق هاشم اُمیة الی الماثر، اول منهُ وآخرهُ وابو همهمه بذلک خابر۔ (۷۰)

حسین ماہتاب، جھلملاہوتے تارے، برستا ہوا بادل، اڑتے پرندے اور مسافر کی راہنمائی کرنے والی ہر بلند و پست نشانی اس امر کی شاہد ہے کہ بنو ہاشم، بنو اُمیہ پر عزت حاصل کرنے میں بڑھ گئے، اوّل سے آخر تک او رابو ہمہم (امیہ کا سسر) اس پر گواہ ہے۔

خطابت جاھلیہ کے خصائص دورِ جاہلیت کی خطابت بہت سے امور میں عام عرب خطابت بالخصوص بعد از اسلام خطابت سے مختلف تھی، ڈاکٹر احسان نصر نے اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ہے، اور اس کی کئی ایک خصوصیات بیان کی ہیں (۱۷)، ذیل میں ان پر مختصر اً روشنی ڈالی جاتی ہے۔

الف: عام اسلامی خصوصاً اموی دور کی خطابت کی بہ نسبت جاہلی دور کی خطابت مختصر ہوا کرتی تھی، اور بعض مخصوص مواقع کے علاوہ وہ خطبے مختصر ہی دیا کرتے تھے، ہاں نکاح اور صلح وغیرہ کے مواقع پر دیئے جانے والے خطبے قدرے طویل ہوتے تھے، اور عرب مزاج ویسے بھی طوالت و اطناب پسند نہیں کرتا، ان کے ہاں جب بھی اطناب وطوالت نظر آتی ہے، اس کا سبب عجمیوں کا اثر و رسوخ ہے، جب تک عربی ادب اعاجم کے اثرات سے پاک رہا، وہ بلا جواز طوالت سے محفوظ رہا۔

ب: جاہلیت کے زمانے میں فنِ خطابت کے طے شدہ لگے بندھے اصول اور مخصوص اسلوب نظر نہیں آتا، جس کی پابندی ہر خطیب پر ضروری ہوتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات خطیب بلا تمہید ہی اپنی گفتگو کا آغاز کر دیتا ہے، اسی طرح اختتام کے لئے بھی کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جاتا۔

ج: اشعار کا خطبات میں استعمال اور ان سے استشہاد اس دور میں عام تھا۔

د: جاہلیت کے خطبات میں عام طور پر فقرے مختصر، اور جملے چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے۔

ھ: جو بات کہنا ہوتی ہے، وہ بہ سہولت بلا تصنع کہہ دی جاتی ہے۔

و: عبارت عام طور پر مسجع و منقی ہوتی ہے، جیسا کہ کہانوں کا خاص وتیرہ تھا۔

ز: اس دور کی طبائع بذاتِ خود سادہ مزاج اور سادگی پسند تھیں، یہ خصوصیت ان کے خطبات میں بھی نمایاں تھی اور سجع و قافیہ بندی کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھنے کے باوجود وہ سادہ گفتگو کرتے تھے، جس میں غور و فکر کا عنصر کم ہوتا تھا۔

ح: کاہنوں کے کلام میں مسجع و منقی عبارتیں، غریب و نامانوس الفاظ، چھوٹے چھوٹے فقرے، الفاظ کا الٹ پھیر اور مغلق انداز بیان بہت ملتا ہے، زبرا کاہنہ بنی رئام کو مخاطب کر کے کہتی ہے۔

والـلـوح الـخـافق، والليل الغاسق، والصباح الشارق، والنجم الـطـارق، والـمـزن الـوادق، ان شجـر الوادی ليـأدو ختلاً، ويـحـرق انياباً عُصْلاً، وان صخر الطرد لينذر ثكلاً، لاتجدون عنه معلاً(۴۷)

برقِ تپاں، شب دیجور، صبح روشن، ستارہ درخشاں، ابرِ باراں سب ہی اس بات کے گواہ ہیں کہ وادی کے درخت پر دھوکے کا پھل آئے گا، اور ٹیڑھی انگلیوں کے پروں کو جلا دے گا، اور ٹیلے کی چٹان اس عورت کو ڈرائے گی جس کا بچہ گم ہوگیا ہے تم اس سے کچھ بھی چھین نہ سکو گے۔

اندازِ خطابت

دورِ جاہلی کی خطابت پر گفتگو کا اختتام کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دورِ جاہلی کے خطبا کے اسلوب اور اندازِ خطابت پر بھی ایک نظر ڈالی جائے، تاکہ اندازہ ہوسکے کہ اس دور کے خطبا کس انداز کو پسند کرتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب نے دورِ جاہلیت میں رائج انداز میں کیا تبدیلیاں کیں اور آپ ﷺ کا اسلوب اور انداز مروج اسلوبِ خطابت پر کس طرح اثر انداز ہوا۔

عرب خطیب، خطاب کرتے وقت بعض ایسے طریقے اختیار کرتے تھے جس سے ان کے خیال میں بات زیادہ مؤثر ہو جاتی تھی۔ عرب خطیب بالعموم کھڑے ہو کر خطاب کرتا تھا۔ صرف نکاح کا خطبہ بیٹھے بیٹھے دیا جاتا تھا۔ عظیم میلوں اور بڑے مجمعوں میں وہ اپنی سواریوں پر یا بلند مقام پر کھڑے ہو کر خطاب کرتے تھے تاکہ آواز دور تک پہنچے اور لوگوں پر عظمت کا اظہار بھی ہو۔ خطیب شخصیت، وجاہت، اعضا و جوارح کی حرکات، دستار باندھنے، عصا پکڑنے، کمان کا سہارا لے کر زمین پر کھڑا ہونے اور عصا، نیزے یا تلوار سے اشارہ کرنے سے خطاب کو مؤثر بناتے تھے۔ بعض لوگ امن کے خطبات میں عصا اور خطبات حرب میں کمان یا نیزے کا سہارا لیتے تھے، حتیٰ کہ بادشاہ مجالس میں بھی عصا کو جدا نہیں کرتے تھے، اور ان کا جملہ **اخذ العصا** ء خطابت کی تیاری سے کنایہ تصور ہوتا تھا۔ خطیب اکثر اوقات مخاطبین کی کیفیات و احوال کا اندازہ کر کے بات کرتے اور مقتضائے حال کے مطابق کلام کرتے۔ ایجاز، اطناب، تقدیم و تاخیر، بعض اوقات تکرار و تاکید اور اکثر اوقات ٹھہراؤ سے کام لیتے۔ شادی بیاہ کے مواقع پر خاطب کی طرف سے طویل بات ہوتی اور جواب دینے والا اختصار سے کام لیتا۔ خطبا موقع کے مطابق اسلوب بدلتے، وعد و وعید، تبشیر و

تہدید اور استفہام کے تمام اسلوب اختیار کرتے۔ ڈاکٹر احسان نصر لکھتے ہیں کہ دور جاہلی میں کچھ خطبا باچھیں کھولنے اور ہونٹ لٹکانے میں بہت مبالغہ کرتے تھے، جب حضور ﷺ تشریف لائے تو آپ نے باچھیں کھولنے سے روکتے ہوئے فرمایا کہ میرا باچھیں کھول کر خطابت کرنے کے اس انداز سے کیا واسطہ، اور فرمایا کہ مجھے سب سے زیادہ مبغوض وہ لوگ ہیں جو فضول گوئی سے کام لیتے اور منہ پھیلا کر باتیں کرتے ہیں۔ (۷۳)

کلام جاہلی کا مقام

کلام جاہلی پر گفتگو کرتے ہوئے اس کے مقام اور اس کی حقیقت کے حوالے سے بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں، ان کا تعلق کلام جاہلی کے دونوں حصوں نثر اور نظم کے ساتھ ہے۔ سب سے بنیادی سوال یہی ہے کہ کلام عربی کے جو نمونے آج ہمارے سامنے موجود ہیں، کیا واقع ان کا انتساب دور جاہلی کے قدما کی طرف درست ہے، اوپر کی سطور میں ذکر ہو چکا ہے کہ نظم کی بہ نسبت نثر کا ضبط کرنا زیادہ مشکل امر تھا، جس کی وجہ سے نثر کا زیادہ تر حصہ ہم تک نہ پہنچ سکا، یہ نکتہ بجائے خود کلام جاہلی کے مقام اور حیثیت پر سوالیہ نشان کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ امتداد زمانہ کی وجہ سے ان میں تحریف، ردوبدل اور اضافے عین ممکن ہیں۔ ڈاکٹر جواد علی نے اس پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ بات درست ہے، کیونکہ اتنا طویل عرصہ گزرنے کے بعد ان چیزوں کا ہم تک من وعن پہنچنا امر محال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان دور جاہلی کی طرف منسوب خطبات اور اقوال کی صحت کی کیسے تصدیق کر سکتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کی روایات میں راویوں کا کس قدر اختلاف موجود ہے، سو جب روایت اس قدر اہم خطبے کی نص کو ضبط کرنے میں اس قدر اختلاف کر رہے ہیں، حالانکہ اس میں بہت سے احکامات بھی بیان ہوئے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کا کلام عام مسلمانوں کے کلام کی بہ نسبت کہیں زیادہ فضیلت رکھتا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ دور جاہلی کے خطبوں کی نصوص کمال صحت کے ساتھ ہم تک منتقل ہو سکیں، روایت باللفظ کی راہ میں موجود رکاوٹوں اور صعوبتوں کی وجہ سے جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو روایت بالمعنی کے طور پر نقل کرنے کو جائز رکھا ہے، تو دور جاہلی کے خطبوں کو حرفاً اور معناً کامل طور پر ضبط کرنا کیوں کر ممکن ہے، جب کہ یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی نظر میں دور جاہلی کے کلام کو رسول اللہ ﷺ کے کلام پر قیاس کیا ہی نہیں جا سکتا۔ (۷۴)

دور جاہلیت کے جن خطبوں کا اوپر ذکر کیا گیا، ان کی حیثیت بلاشبہ اہل علم اور اہل تحقیق کے ہاں مشکوک رہی ہے، مگر ڈاکٹر طہٰ حسین کا کہنا یہ ہے اور تاریخ کا مطالعہ ان کے خیال کی تائید کرتا ہے کہ یہ خطبے اور

دیگر نثری شہ پارے اگر چہ بالکل اصلی حالت میں ہم تک نہیں پہنچے، مگر ہمارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم ان سے مکمل طور پر صرفِ نظر کرلیں، اگر چہ یہ خطبے مدون اور مرتب نہ ہونے کے سبب اصل حالت میں ہم تک نہیں پہنچ سکے، مگر ان کے مطالعے سے ہمیں جاہلیت کے مزاج، ان کے افکار و خیالات سے کسی حد تک ضرور آگہی حاصل ہوتی ہے، جس طرح انہوں نے ہمارے سامنے ان موضوعات کی تصویر کشی کی ہے، جو اس وقت ان کے درمیان موجود تھے، اس سے ہمارے لئے ان کی عادات و اطوار وغیرہ کا جاننا آسان ہوگیا ہے، اس لئے ہم ان حضرات سے اتفاق نہیں کرسکتے جو دورِ جاہلیت کے خطبات وغیرہ کے ہم تک پہنچنے میں آنے والی رکاوٹوں اور ان کے متن کے بارے میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو بنیاد بنا کر دورِ جاہلیت میں فن خطابت کے وجود ہی کی نفی کر دیتے ہیں، اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس دور میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔(۷۵)

اصل بات یہ ہے کہ دورِ جاہلیت کا مزاج اور مذاق خود اس امر کا شاہد ہے کہ ان کے ہاں اور ان کے ادب میں گفتگو و تکلم کی یہ خوبی موجود تھی، اور تاریخ نے ان کے خطبا کے نام، ان کے اقوال، ان کے خیالات اور موقف جس طرح نقل کئے ہیں، وہ خود اس امر کی صراحت ہے کہ اس وقت کا دورِ جاہلی، فن خطابت سے پوری طرح آشنا تھا۔(۷۶)

قیادت اور خطابت، باہمی تعلق

رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکات میں نہ جانے کتنے کمالات جمع تھے، یہ کہنا قطعاً مبالغہ آمیز نہیں اور کسی باخبر صاحبِ مطالعہ، غیر جانبدار رائے کے حامل شخص کو اس سے انکار بھی نہیں ہوسکتا کہ حضور اکرم نبی مکرم ﷺ کے کمالات کا استقصا آج تک نہیں کیا جاسکا، اس امر کا ثبوت یہ ہے کہ سیرتِ طیبہ پر دنیا کی بے شمار زبانوں میں اس قدر کثیر و وسیع ذخیرہ موجود ہونے کے باوجود آج بھی دنیا کے کسی کونے سے کوئی صاحبِ قلم اٹھتا ہے، توفیقِ خداوندی اس کے شریکِ حال ہوتی ہے، اور سیرتِ طیبہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے کسی پہلو پر وہ کچھ اس انداز سے دادِ تحقیق دیتا ہے کہ چونکا دیتا ہے، اس کا سبب یہی ہے کہ سیرتِ طیبہ کلمات اللہ سے متلاحق ہو چکی ہے، جن کے بارے میں قرآن یہ کہتا ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ○(۷۷)

آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کی اس خصوصیت کو ایک معروف عربی شاعر اس طرح شعر کا پیرا ہن عطا کرتا ہے۔

أتَتْ المُخُورُ على سُلافَتِهِ ولَمْ
تَفْنَ السُّلافُ ولا سلا النُّدمَاء (۷۸)

آپ ﷺ کی سیرت وتعلیمات کی بہترین شراب پر کتنے ہی زمانے گذر چکے، مگر
نہ تو یہ قیمتی شراب ہی ختم ہو سکی، نہ مے خواروں کی ہی تسکین ممکن ہو سکی۔

آنحضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے بہت سے پہلوؤں میں سے ایک آپ کی خطابت اور فصاحت و بلاغت بھی ہے، فصاحت و بلاغت، جس کا بہترین بلکہ اولین اظہار خطابت ہی ہے، ہمیشہ سے قیادت کا جزو لاینفک رہی ہے، اسی لئے نبوت کے لئے اس کی ضرورت واہمیت ہر دور میں مسلم رہی، جس قوم کی جانب بھی کوئی نبی مبعوث ہوا، وہ اسی قوم میں سے تھا اور اسی کی زبان میں ان سے مخاطب ہوتا تھا، (۷۹) تا کہ بلا ابہام و اغماض اور بغیر کسی دقت و الجھن کے پیغامِ خداوندی کی تفہیم و تبلیغ ممکن ہو سکے، بقول جاحظ:

لأن مدار الأمر على البيان والتبيين، وعلى الأفهام والتفهيم،
وكلما كان اللسان أبين كان أحمد كما أنه كلما كان القلب
أشد استبانة كان أحمد، والمفهم لك والمتفهم عنك
شريكان في الفضل، الا أن المفهم افضل من المتفهم
وكذلك المعلم والمتعلم۔ (۸۰)

فصاحت و بلاغت کی تعریف کرتے ہوئے خواہ کتنی ہی دقیقہ سنجی اور فلسفیانہ نکتہ وری سے کام لیا جائے، اصولی طور پر اس کا مفہوم یہی ہے کہ خطیب کی بات مخاطب کے سامنے اس قدر وضاحت کے ساتھ ایسی صاف وشستہ نکھری ہوئی زبان میں پیش ہو کر اس کے دل میں اتر جائے۔

خطابت اور قیادت بلکہ خطابت اور نبوت کا باہمی ربط و تعلق حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک مبعوث ہونے والے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرت اور حالات کے جائزے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

مخلوقِ خدا تک پیغامِ حق پہنچانے والے ان نفوسِ قدسیہ کو جو فریضہ اللہ تعالیٰ نے بطور منصب عطا کیا تھا اُس کے لئے قرآن کریم نے ابلاغ، تبلیغ، رسالت یا بلاغ مبین کے الفاظ استعمال کئے ہیں جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ان منتخب و برگزیدہ بندوں نے حق تعالیٰ کے پیغام کی ترویج اور اشاعت کے لئے خطابت کو ایک اہم ذریعے کے طور پر استعمال کر کے فصیح و بلیغ اسلوب بیان کے ساتھ خطبات و مواعظ کی شکل

میں اپنا فریضہ انجام دینا تھا اس لئے ان کا فصاحت و بلاغت سے نوازا جانا حکمتِ خداوندی کا بدیہی تقاضا تھا۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ و فرستادہ مردانِ حق، انبیائے کرام نے اپنے خطیبانہ وعظ و تبلیغ میں ہمیشہ یہ اعلان کیا:

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ O (۸۱)

ہمارا فریضہ منصبی یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا پیغام کھول کھول کر پہنچا دیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا:

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ O (۸۲)

میں تو تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام کھول کھول کر پہنچاتا ہوں۔

اور حضرت ہود علیہ السلام کا اعلان بھی یہی تھا۔ (۸۳) نیز حضرت صالح علیہ السلام اور خطیب الانبیاء حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے یہی فرمایا تھا:

لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ O (۸۴)

میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے ہیں۔

اور خود اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے پیغمبروں کے منصبی فرائض کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ O (۸۵)

کیا ہمارے رسولوں پر بلاغ مبین کے سوا بھی کوئی اور فریضہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے یہ تمام رسول اور انبیائے کرام جب فصاحت و بلاغت کے ساتھ پیغام حق کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے تو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے بالکل نہیں ڈرتے تھے۔ کسی کا رعب و جلال یا خوف و دبدبہ ان کے پائے استقلال میں ہلکی سی لغزش بھی پیدا نہیں کر سکتا تھا۔

اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا O (۸۶)

وہ لوگ جو اللہ کے پیغام کی تبلیغ کرتے ہیں وہ صرف اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، اور اللہ ہی بہترین نگہبان ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے درحقیقت اس کائنات میں حضرت انسان کی تگ و دو کا آغاز ہوا

تھا، اس لئے ان کے دور میں زیادہ تر توجہ انسانی وسائل کو صحیح معنی میں مفید اور فیض رساں بنانے پر مرتکز رہی، احکاماتِ تشریعیہ کی تبلیغ وتنفیذ کا صحیح معنی میں آغاز حضرت نوح علیہ السلام سے ہوا اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ سلسلۂ رسالت ونبوت کی تاریخ میں خطابت وموعظت کا فریضہ طویل ترین عرصے تک حضرت نوح علیہ السلام ہی نے انجام دیا۔ یہ سلسلہ ساڑھے نوسو برس تک جاری رہا (۸۷) آپ کی یہ دعوت خطابت ہی کے ذریعے جاری رہی، اور آپ کی خطابت اس قدر سحر انگیز تھی اور آپ کے منکرین اس کی تاثیر کے اس قدر قائل تھے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے اور جسموں کو کپڑوں سے لپیٹ لیتے تھے (۸۸)۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اس سلسلۂ رسالت ونبوت کی سرداری جن انبیا کے حصے میں آئی، ان میں سب سے اہم نام حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ہے، آپ انبیائے کرام میں نہایت نمایاں مقام رکھتے ہیں، اور اولوالعزم انبیاء میں سے ہیں۔ آپ کے اسلوب کی خصوصیت میں بھی استدلال کی قوت اور زور بیان نمایاں ہیں، آپ کے اسلوبِ بیان کے نمونے توریت میں بھی ملتے ہیں (۸۹) آپ کی خطابت کا تفصیلی ذکر آئندہ صفحات میں دیگر انبیائے کرام کے ساتھ آرہا ہے، یہاں صرف خطابت اور نبوت کے باہمی تعلق کی چند مثالیں پیش کرنا مقصود ہے، آپ اپنے باپ آذر سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں، قرآن کے الفاظ یہ ہیں:

اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (۹۰)

کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو؟ میں تو تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں۔

حضرت ابراہیم کے بعد آنے والے پیغمبروں میں ایک نمایاں نام حضرت صالح علیہ السلام کا ہے، جنہیں یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ چار عرب انبیاء میں سے ایک ہیں (۹۱) آپ نے بھی دیگر انبیائے کرام کی طرح اللہ کا پیغام لوگوں تک خطابت ہی کے ذریعے پہنچایا۔ آپ کا واسطہ ایک ضدی اور سرکش قوم سے پڑا تھا، اس لئے فطری طور پر آپ کی صلاحیتیں اس میدانِ دعوت وتبلیغ میں خوب بیدار ہوئی ہوں گی، قرآنِ حکیم میں آپ کے بہت سے بیانات، تلقین اور وعظ ملتے ہیں، ایک جگہ اپنی قوم سے یوں خطاب کرتے ہیں:

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ط اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ O (۹۲)

اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں اس میں آباد کیا سو تم اسی سے مغفرت طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو۔ بے شک میرا رب قریب ہے اور (دعا) قبول کرنے والا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا لقب ہی خطیب الانبیاء (۹۳) ہے، آپ کی سیرت کا جائزہ لینے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بھی نہایت مشکل حالات کا سامنا کیا اور تبلیغ و دعوتِ دین کے لئے زندگی بھر کوشاں رہے، اور آپ کی اس تگ و دو میں خطابت آپ کے ہم سفر رہی، آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ دو قوموں اہلِ مدین اور ایکہ والوں کی جانب مبعوث ہوئے، آپ نے ایک بار اہلِ مدین کو مخاطب کر کے فرمایا تھا

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰكُمْ بِخَيْرٍ وَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ O وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ O (۹۴)

اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو کیونکہ میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تمہارے متعلق ایسے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے جو سب کو گھیر لے گا اور اے میری قوم! ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کر کے دیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں کمی کر کے نہ دیا کرو اور نہ زمین میں فساد مچاتے پھرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ان سب میں زیادہ دلچسپ اور فکر انگیز ہے، بوجوہ ان کی زبان میں قدرے لکنت تھی، اور انہیں اس کا علم تھا کہ جس ذمے داری سے انہیں سرفراز کیا جا رہا ہے، اس کے لئے فصاحتِ بیان اور طلاقتِ لسان ضروری ہے، اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دو دعائیں کیں:

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ O وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ O وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ

لِسَانِیْ O یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ O وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْراً مِّنْ اَهْلِیْ O هٰرُوْنَ
اَخِیْ O اشْدُدْبِهٖۤ اَزْرِیْ O وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ O (۹۵)

اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے اور میرے لئے میرا کام آسان فرما دے اور میری زبان سے گرہ کھول دے تا کہ وہ میری بات سمجھ سکیں اور میرے کنبے میں سے کسی کو میرا وزیر بھی بنا دے، ہارونؑ کو جو میرا بھائی ہے، اس سے میری کمر مضبوط (میری قوت مستحکم) کر دے اور اس کو میرے کام میں شریک کر دے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رسولِ اول و آخر علیہ الصلاۃ والتسلیم کی ختم نبوت کی بشارت بھی دی اور اپنی قوم کو اللہ کا پیغامِ حق بھی پہنچایا۔ آپ کی فصاحت و بلاغت سے بھر پور خطابت کا آغاز گہوارے سے ہی ہو گیا تھا، آپ کا پہلا خطبہ جو قرآن حکیم کے اوراق میں محفوظ ہے، وہ یہ ہے:

اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ ط اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا O وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ
مَا كُنْتُ ص وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَیًّا O وَّبَرًّام
بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا O وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ
وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا O (۹۶)

میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے اللہ نے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔ اور مجھے بابرکت بنایا، جہاں کہیں بھی میں ہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوۃ کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ رہوں۔ اور مجھے اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا اور مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا اور مجھ پر سلام ہے، جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

آپ کی سیرت کے مطالعے سے بھی یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ نبوت کے ساتھ ساتھ خطابت کا معرکہ بھی جاری رہا، اور بعثت کے مقاصد کے حصول کے لئے اپنے پیش رو انبیائے کرام کی مانند آپ بھی خطابت کو ذریعہ بناتے رہے۔

خطابت نبوی ﷺ

فنِ خطابت اپنی گوناگوں صفات وخصوصیات کے سبب ہر دور میں مؤثر رہی ہے، یہ ایسا فن ہے، جو

مخاطب کے قلوب واذہان پر بیک وقت اور فوری طور پر اثر انداز ہوتا ہے، زبان کی قوت، الفاظ کا استعمال، لہجے کا زیر و بم، اسلوب کی شستگی اور انداز کی شائستگی، جذبات کی فراوانی، آواز کا اتار چڑھاؤ اور استدلال کی قوت یہ تمام اجزا خطابت کو حد درجہ قوت و طاقت کا حامل بنا دیتے ہیں، یہی سبب ہے کہ ہر بڑی تبدیلی اور انقلاب کی پشت پر خطابت کا آہنگ ضرور نمایاں نظر آتا ہے، اور معلوم انسانی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ فن خطابت نے ہر دور میں تاریخ کا دھارا موڑنے اور اس کا رخ تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

رسول اکرم نبی مکرم علیہ الصلاۃ والتسلیم جس ماحول اور زمانے میں مبعوث ہوئے، وہ فصاحت و بلاغت اور خطابت و شعر سے مزین تھا، اس معاشرے کے افراد اپنی زبان دانی، خطابت اور فصاحت پر بجا طور پر ناز اں اور فخر کرتے تھے، ان کے ہر قبیلے میں ایسے خطبا بڑی تعداد میں موجود تھے، جو چند لمحوں کی مہلت میں اپنی شعلہ بیانی سے آتش حرب بھڑکا دینے پر قادر اور باہم ہنستے مسکراتے لوگوں کے مابین منافرت و عداوت کی بلند و بالا دیواریں کھڑی کر دینے کی طاقت رکھتے تھے، اسی بنا پر ان کی نظر میں ان کے سوا باقی ساری دنیا عجمی یعنی گونگی تھی، جنہیں قدرت بیان تک کما حقہ حاصل نہیں تھی، اس داستان کے چند حصے ماقبل کے اوراق میں بیان ہو چکے ہیں، ایسے ماحول میں نبی آخر الزماں علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت مبارکہ ہوئی تو آپ کا اس مروج ہتھیار سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ کمال و صلاحیت کے ساتھ لیس ہونا خود وقت کا تقاضا اور سنت اللہ کا منشا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی نبی کو مبعوث کیا تو اس کے زمانے اور حالات کے مطابق، اس دور میں رائج فن یا فنون میں اسے عام انسانی حدود سے زیادہ کمال و امتیاز عطا کیا تھا۔

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین مخاطب عرب تھے تو انہیں ہدایت و تلقین کے لئے ایسے پیرایۂ بیان کی ضرورت تھی جو مفہوم و معنی کی دنیا میں بے مثل ہونے کے ساتھ ساتھ اسلوب و الفاظ کے اعتبار سے بھی سب پر فائق اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی سب سے ممتاز ہو۔

فن خطابت اور وجوہ بلاغت کے نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت خود فن خطابت کا معیار ٹھہرتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات اس قدر معنی خیز اور فصاحت و بلاغت سے لبریز ہیں کہ آپ ﷺ کے ایک ایک خطبے بلکہ ہر خطبے کے ایک ایک جملے پر اور ان میں بیان ہونے والے علوم و فنون پر دفتر کے دفتر تیار ہو سکتے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے ٹھیک وہی اثرات مرتب ہوئے، اور انہوں نے اپنے سامعین پر بالکل وہی اثر ڈالا جو آپ ﷺ کا مقصود اور مطلوب تھا، یہ کسی بھی خطیب کے لئے بحیثیت خطیب بہت بڑا اعزاز ہے، اور اگر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ کی اس خصوصیت کو ذہن میں رکھ کر ان حالات کا بھی جائزہ لیا جائے، جن سے آپ ﷺ دوچار تھے، اور اس معاندانہ فضا کو بھی پیش نظر رکھا جائے، جس کا آپ ﷺ کو سامنا تھا تو اس خصوصیت کی اہمیت اور بھی دوچند ہو جاتی ہے، (۹۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں بہت سے مناصب جمع تھے، اس لئے آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف حیثیتوں سے خطبہ ارشاد فرمائے۔ مثلاً فاتح کی حیثیت سے، امیر لشکر اور سپہ سالار کی حیثیت سے، قاضی و امام کی حیثیت سے، واعظ و خطیب کی حیثیت سے، شارع اور مقنن کی حیثیت سے ایک داعی حق کی حیثیت سے، اسلامی سلطنت کے بانی اور سربراہ کی حیثیت سے اور ایک خیر خواہ ہادی اور رہنما کی حیثیت سے، اس لئے آپ ﷺ کے خطبات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن سے سیرت مطہرہ، سنن و احادیث، ادب عربی اور تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، اگر چہ یہ خطبے یکجا طور پر بہت کم جمع ہو سکے ہیں۔ (۹۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع اور ضرورت کی مناسبت سے ہر طرح سے خطبہ دیا ہے، منبر پر بھی، اونٹ وغیرہ جانوروں پر بھی، کھجور کے تنے کے سہارے بھی اور ہاتھ میں عصا لے کر بھی اور کمان تھام کر بھی، ابتدا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ کھجور کے تنے کے سہارے کھڑے ہو کر دیا کرتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس طرح کھڑا ہونا دشوار ہو گیا تو آپ ﷺ کے لئے منبر بنوایا گیا، اور پھر اس پر کھڑے ہو کر آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرمانے لگے۔ (۹۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے فصاحت و بلاغت کا بے مثل نمونہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں، چونکہ آپ ﷺ قدرتی طور پر فصاحت و بلاغت کے بلند مرتبے پر فائز تھے، اس لئے آپ کلام میں تکلف سے کام نہیں لیتے تھے نہ اسے مصنوعی طور پر سجانے سنوارنے کا قصد فرماتے، اور نہ تصنع کے طریقوں میں سے کسی طریقے کے متلاشی ہوتے بلکہ جو کچھ آپ ﷺ بیان کرنا چاہتے آپ کا کلام اس سے بالکل تجاوز نہیں کرتا تھا۔ (۱۰۰) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام گفتگو درحقیقت اس قدر مناسب حال ہوتی تھی کہ اس سے بہتر اس موقع پر کلام ممکن ہی نہ تھا، امام ادب جاحظ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی خصوصیات کے بارے میں متعدد مقامات پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، جو آگے اپنے مقام پر بیان ہو رہی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت کے مختلف پہلوؤں اور آپ کی خطابت کے امتیازات و خصوصیات پر مختلف عنوانات کے تحت ذیل میں تفصیل سے گفتگو کی جا رہی ہے۔ جس کا مطالعہ سیرت طیبہ کے اس اہم پہلو سے ہمیں روشناس کرانے میں بہت معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت کی خصوصیات

رسول اکرم نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت کے بہت سے پہلو ہیں، آپ ﷺ کی خطابت نے پورے عرب کو متاثر کیا، آپ کی خطابت کی تاثیر کے اسباب کیا تھے؟ اس کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت کے اجزائے ترکیبی کا جائزہ لینا ہوگا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطابت میں بہت سے نئے پہلو متعارف کرائے، اور اس کو نیا اسلوب، نیا طرز، اور ایک بامقصد آہنگ عطا کیا، ان امور کو جاننے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت کی خصوصیات کا قدرے تفصیلی جائزہ ازبس ضروری ہے۔

حسن صوت: کسی بھی خطیب کے لئے اچھی آواز کا حامل اور بلند آہنگ ہونا نہایت ضروری ہے، پھر ان دونوں خوبیوں میں تناسب بھی ازحد ضروری ہے۔ آواز اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اور ایسی نعمت ہے، جس میں تبدیلی پر انسان کچھ قدرت نہیں رکھتا، جیسی آواز بھی انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمادی اسی پر اسے قناعت کرنی ہے، کیونکہ اس کے سامنے اس کے علاوہ دوسری کوئی متبادل راہ موجود نہیں، خطابت کے لئے اچھی اور خوبصورت آواز کا ہونا لازمی ہے، اور کسی بھی خطیب کے لئے یہ قدرت کا ایک انمول تحفہ ہے۔ قدامہ بن جعفر کہتا ہے:

> **جهارة الصوت من أجل أوصاف الخطيب، و حسن الخطابة، وجلالة موقعها (۱۰۱)**
>
> بلند آہنگ ہونا، خطیب کے عظیم ترین اوصاف میں سے ہے، اور حسن خطابت اور اس کی عظمت تاثیر کی ضمانت ہے۔

اس بنا پر عربوں کے ہاں بھی حسن صوت اور آواز کی بلندی کو خوبی سمجھا جاتا تھا۔ اور اسے کافی اہمیت حاصل تھی، بقول جاحظ:

> **وكانوا يمدحون الجهير الصوت، ويذمون الضئيل الصوت، ولذالك تشادقوا في الكلام ومدحوا سعة الفم و ذموا صغر الفم(۱۰۲)**
>
> عرب بلند آواز ہونے کو پسند کرتے تھے، اور پست آواز کی مذمت کرتے تھے، اسی لئے وہ گفتگو میں بہت باچھیں کھول کر کلام کرتے تھے، اور اسی لئے بڑے منہ کو پسند کرتے تھے اور چھوٹے منہ کی مذمت کرتے تھے۔

محمد بن یسر کے بقول اعرابی سے سوال کیا گیا کہ جمال (خوبصورتی) کیا ہے؟ اس نے کہا:

طول القامة، وضخم الهامة، و رحب الشدق، وبعد الصوت (۱۰۳)

بلندی قامت، بڑا سر، باچھوں کی فراخی، اور بلند آواز۔

ایک اور اعرابی نے اسی سوال کے جواب میں یہ کہا:

غوؤر العينين، واشراف الحاجبين، ورحب الشدقين (۱۰۴)

بڑی آنکھیں، گھنی پلکیں اور فراخ باچھیں

حسن صوت کی یہ خصوصیت انبیاء کرام میں بھی موجود تھی، حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ داؤد علیہ السلام حسن صوت کے مالک تھے، آپ جب زبور کی تلاوت فرماتے تو انسان، جنات، پرندے اور جانور سب آپ کی خوب صورت آواز کی وجہ سے آپ کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ (۱۰۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں خصوصیات سے بھی بتمام وکمال سرفراز فرمایا تھا، آپ ﷺ جہیر الصوت بھی تھے، اور حسین الصوت بھی، آپ کی آواز مبارک جہاں کانوں کو بھلی محسوس ہوتی اور لوگ اس سے مسحور ہو جاتے تھے، وہیں بلند وبالا بھی تھی، مگر یہ کیفیت آپ کی آواز میں کچھ اس خوبی سے پائی جاتی تھی کہ کانوں کو بوجھل اور سماعتوں کو ثقیل محسوس نہیں ہوتی تھی، اور قریب و دور والے برابر آپ ﷺ کی آواز سے مستفید ہوتے تھے، خود آپ کا قول مبارک ہے، آپ نے فرمایا:

مابعث الله نبيا قط الا بعثه حسن الوجه حسن الصوت، حتى بعث نبيكم ﷺ، فبعثه حسن الوجه حسن الصوت (۱۰۶)

اللہ نے جو نبی مبعوث کیا، وہ خوبصورت اور اچھی آواز والا تھا، یہاں تک کہ اللہ نے تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مبعوث کیا، سو اسے بھی حسین صورت اور حسین صوت دے کر مبعوث کیا۔

اور یہی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں منقول ہے:

ما بعث الله تعالىٰ نبيا قط الا بعثه صبيح الوجه كريم الحسب حسن الصوت، ان نبيكم كان صبيح الوجه كريم الحسب حسن الصوت (۱۰۷)

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خوب صورت چہرے والا، بہترین حسب ونسب اور حسین آواز دے کر مبعوث کیا ہے، اور تمہارے نبی ﷺ بھی خوب صورت چہرے والے، بہترین حسب ونسب اور حسین آواز والے تھے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام اور گفتگو کی خوبی بیان کرتے ہوئے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

ولم یکن یرجع ولکن کان یمد بعض المد (۱۰۸)

آپ بات کو لوٹاتے نہیں تھے، بلکہ اسے کچھ لمبا کر دیتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کی بلند آہنگی کے بارے میں یہ بیان بھی ملتا ہے کہ آپ کی آواز وہاں تک پہنچ جاتی تھی، جہاں کسی اور کی آواز نہیں پہنچتی تھی۔(۱۰۹) اسی طرح یہ بھی منقول ہے کہ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ اجلسوا بیٹھ جاؤ، آپ کی یہ آواز ایک انصاری صحابی نے محلۂ بنی غنم میں سنی (جو مسجد نبوی سے کافی فاصلے پر تھا) اور وہ وہیں بیٹھ گئے۔(۱۱۰)

صحابۂ کرام کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں جو خطبہ دیا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ہماری سماعتوں کو کھول دیا۔ اور ہم اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سن رہے تھے۔(۱۱۱)

ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

کنت اسمع قرأة رسول الله صلی الله علیه وسلم باللیل وأنا علی عریشی۔(۱۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو قرأت فرماتے تو میں اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے آپ کی قرأت سن لیتی تھی۔

حسن صوت اور بلندیٔ صوت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خطابت کو خوب مزین کیا، چنانچہ بڑے بڑے مجمع میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بیان اور کلام پوری وضاحت اور سہولت کے ساتھ پہنچا دیتے تھے، اور لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سننے کے لئے کسی تکلف سے کام لینا نہیں پڑتا تھا، اسی طرح آپ اپنی گفتگو میں زور دینے اور بات کو پختہ کرنے کے لئے بھی اپنی آواز سے کام لیتے تھے، چنانچہ روایات میں آتا ہے:

کان اذا خطب، احمرت عیناه وعلا صوته، واشتد غضبه،

15\AISe

كأنه منذر جيش۔ (۱۱۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آنکھیں (جوش کی وجہ سے) سرخ ہو جاتیں، اور آپ کی آواز بلند ہو جاتی، اور آپ اس طرح غصے میں محسوس ہوتے گویا کہ کسی حملہ آور لشکر سے ڈرا رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے کلام اور گفتگو کے بارے میں ام معبد کا یہ بیان بھی قابلِ توجہ ہے، وہ کہتی ہیں:

حلوا لمنطق، فصل، لا نزرو لا هذر، كأن منطقه خرزات نظمن، وكان جهير الصوت احسن النغمة۔ (۱۱۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریں زبان تھے، آپ ہر بات واضح بیان فرماتے، آپ ﷺ نہ قلیل الکلام تھے، نہ کثیر الکلام، آپ کی گفتگو ایک لڑی میں پروئے گئے موتیوں کی مانند تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بلند تھی اور اس میں خوبصورت نغمگی پائی جاتی تھی۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، وہ کہتے ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم حسن النغمة۔ (۱۱۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوبصورت ترین آواز رکھتے تھے۔

اسی طرح حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عشاء میں والتین والزیتون کی قرأت کی میں نے اس سے خوبصورت آواز کبھی نہیں سنی (۱۱۶)

حضرت براء ہی سے یہ بھی منقول ہے وہ کہتے ہیں:

خطبنا رسول الله ﷺ حتى أسمع العواتق في خدورهن (۱۱۷)

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ پردہ نشینوں نے اسے اپنے پردوں میں سنا۔

فصاحت و بلاغت کسی بھی خطیب کے لئے فصاحت و بلاغت بنیادی شرط کی حیثیت رکھتی ہے، ابو داؤد بن حریز کہتا ہے،

رأس الخطابة الطبع، وعمودها الدربة، وجناحاها

رواية الكلام، وحليها الاعراب، وبهاؤها تخير الألفاظ، والمحبة مقرونة بقلة الاستكراه۔ (۱۱۸)

جب کہ سہل بن ہارون بیان یعنی فصاحت و بلاغت سے مملو کلام اور قوتِ تکلم کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

العقل رائد الروح، والعلم رائد العقل، والبيان ترجمان العلم (۱۱۹)

عقل روح کو بتاتی ہے، علم عقل کی راہنمائی کرتا ہے، اور بیان علم کا ترجمان ہے

نیز وہ اہل عرب کا قول نقل کرتا ہے:

حياة المرؤة الصدق، وحياة الروح العفاف، وحياة الحلم العلم، وحياة العلم البيان۔ (۱۲۰)

مروت کی زندگی سچائی سے ہے، روح کی حیات پاک دامنی سے، اور حلم کی زندگی علم سے ہے، اور علم کی حیات بیان (قوتِ تکلم) سے وابستہ ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت تو روزِ اول ہی سے خود اہلِ عرب کے ہاں مسلم رہی ہے، اس حوالے سے مفصل گفتگو تو فصاحت و بلاغت نبوی ﷺ کے زیرِ عنوان السیرہ کے گزشتہ شمارے میں میں گزر چکی ہے۔ یہاں پر موضوع کی مناسبت سے صرف چند اشارے کئے جائیں گے۔ مصطفےٰ صادق الرافعی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کے بارے میں بڑی خوبصورت بات کی ہے، ان کا قول اس باب میں خلاصۂ کلام کی حیثیت رکھتا ہے، وہ کہتے ہیں:

پختہ انداز ادا، شانِ فصاحت، حلاوتِ کلام اور سلاستِ اسلوب سمیت کوئی صفت ایسی نہ ہوگی، جو آپ ﷺ کے کلام میں طبعی وفطری طور پر موجود نہ ہو۔ آپ ﷺ نے نہ تو ان کے لئے محنت و مشقت کی تھی، نہ ریاضت کی تکلیف اٹھائی تھی، بلکہ آپ ﷺ فطری طور پر ان اوصاف میں کامل پیدا ہوئے تھے۔ (۱۲۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی خوبیاں گنواتے ہوئے امام الادب جاحظ کہتا ہے:

کلام نبوی ایک ایسا کلام ہے جس کے حروف کی تعداد تو قلیل ہے مگر اس کے معانی کی مقدار کثیر ہے، یہ تصنع سے بلند تر اور تکلف سے منزہ ہے، یہ کلام تو بالکل ایسا ہی

ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کہ دیجئے کہ میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں! اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ آپ ﷺ نے باچھیں پھاڑ کر بات کرنے کو معیوب قرار دیا اور گلے کی گہرائی سے آواز نکالنے والوں سے اعراض کیا ہے، آپ پھیلانے کے موقع پر بات کو پھیلاتے اور اختصار کے وقت مختصر بات ہی کرتے تھے۔ آپ ﷺ غیر معروف اور نامانوس الفاظ کو ترک کرتے سوقیانہ الفاظ سے اعراض کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا کلام تو سراسر حکمت و دانش کی میراث تھی، آپ کی گفتگو کو حفاظت خداوندی اپنے جلو میں لئے ہوئے تھی۔ اس کلام کی تعمیر کو تائید الٰہی اور توفیق ربانی کی سہولت میسر تھی، یہ کلام نبوی ایک ایسا کلام ہے جس میں اللہ نے محبت کی رنگت نکھار دی ہے اور اسے شرف قبولیت سے سرفراز فرمایا ہے۔ اس میں ہیبت کے ساتھ شیرینی وحلاوت اور حسن افہام کے ساتھ قلت کلمات ایک ساتھ نظر آئے گی، یہ کلام دہرانے یا اعادہ کرنے سے مستغنی ہے اور اسے سننے والا بار بار دہرانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، اس کلام میں سے نہ تو کوئی لفظ ساقط نظر آتا ہے اور نہ اس میں خطیب کی کوئی لغزش پا نظر آتی ہے، نہ تو اس کی حجت باطل ہوسکتی ہے، نہ اس کے مقابلے میں کوئی دشمن ٹھہر سکتا ہے اور نہ اسے کوئی خطیب لاجواب کرسکتا ہے، بلکہ طویل خطبات مختصر جملوں سے برتری حاصل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، یہ کلام مخاطب کو کسی ایسی بات سے لاجواب نہیں کرتا جسے وہ جانتا نہ ہو، اس کی دلیل سراپا صدق ہے اور اس کی کامیابی کا راز صرف حق ہے، اس میں نہ تو لطافت کلام سے دھوکہ دینے کی کوشش نظر آتی ہے اور نہ چلاکی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اس میں نہ تو کسی کی غائبانہ عیب جوئی پائی جاتی ہے نہ موجودگی میں کسی کی نکتہ چینی نظر آتی ہے۔ اس میں نہ تو سست روی ہے اور نہ جلد بازی، اس میں نہ اسہاب (اتنی باتیں کرنا کہ پلے کچھ نہ رہے) ہے اور نہ حصر (بالکل بات کرہی نہ سکنا) ہے، پھر یہ بھی ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے علاوہ کوئی ایسا کلام کبھی نہیں سنا جو اس قدر زیادہ نفع بخش، لفظی لحاظ سے اس قدر معتدل،

توازن میں اس قدر کامل اور روش کے لحاظ سے اس قدر حسین وجمیل، مقاصد کے لحاظ سے اتنا محترم، اثر میں اتنا خوبصورت، ادائیگی میں اس قدر آسان، معنی کو اس قدر کھول کر بیان کرنے والا اور مدعا کو اس قدر واضح کرنے والا ہو (۱۲۲)

قبائل کی لغات اور لہجوں سے واقفیت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت کی ایک اہم خوبی یہ تھی کہ آپ عرب کے مختلف قبائل میں رائج لغات اور ان کے مختلف لہجوں پر بھی مکمل عبور رکھتے تھے، اسی لئے آپ ﷺ جب ان سے گفتگو کرتے یا تحریر وغیرہ کا مرحلہ ہوتا تو ان کے ہاں رائج لہجوں اور لغات کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے، (۱۲۳) جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں زور بھی پیدا ہوتا تھا اور اس کی حدود بھی وسیع ہوتی تھیں، خصوصاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل مقصد یعنی ابلاغ وتبلیغ دین میں یہ خصوصیت کافی معاون ثابت ہوئی، کیونکہ اس طرح بات زیادہ مؤثر انداز میں، زیادہ سرعت وسہولت کے ساتھ مخاطب تک پہنچائی جاسکتی ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کو عرب میں تنہا یہ خصوصیت حاصل تھی، اور آپ ﷺ اہل عرب میں اس وصف کے ساتھ ممتاز تھے، حالانکہ عرب خاص کر قریش مکہ کثرت سے تجارتی اسفار کرتے تھے، پھر موسم حج میں عرب بھر کے وفود مکہ مکرمہ آتے تھے، اس طرح ان کا باقی دنیائے عرب سے برابر رابطہ تھا، مگر وہ اس خصوصیت کے حامل نہ تھے، اسی بنا پر ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

نحن بنو أب واحد، ونراک تکلم وفود العرب بما لانفهم أکثره (۱۲۴)

ہم ایک ہی باپ کی اولاد ہیں، مگر اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آپ وفود عرب سے ایسے لہجے میں گفتگو فرماتے ہیں، جس کا اکثر حصہ ہم سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت اور آپ ﷺ کی اہل عرب کے ان کے مختلف لہجوں اور مختلف لغتوں میں ہونے والی گفتگو کی بہت سی مثالیں کتب سیرت، حدیث وادب میں موجود ہیں۔

مثال کے طور پر قبیلۂ بنوسعد کی بول چال میں عین کو نون سے بدل دیا جاتا تھا، اور **اعطی** کی جگہ **انطی** کہا جاتا تھا، ایک مرتبہ اس قبیلے کا ایک فرد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس سے اسی کی زبان میں کلام فرمایا، اور اس کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

ما اغناک الله فلا تسأل الناس شیئا، فان الید العلیا هی

المنطية وان اليد السفلىٰ هى المنطاة ۔(۱۲۵)

جب تمہیں اللہ مالدار کردے تو تم لوگوں سے کچھ نہ مانگنا، کیونکہ اوپر والا ہاتھ دینے والا ہوتا ہے، اور نیچے والا ہاتھ لینے والا ہوتا ہے،

یہاں آپ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم نے **معطية** کی جگہ **منطية** اور **معطاة** کی جگہ **منطاة** فرمایا:

ایک بار قبیلۂ بنو عامر کا ایک شخص لقیط بن عامر عامری حاضر خدمت ہوا، اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھنے کا ارادہ کیا، آپ ﷺ نے اسی کے لہجے میں فرمایا، **سل عنک** (۱۲۶) جو چاہو پوچھو۔ یہاں اگر معروف معنی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو مفہوم یہ بنتا تھا کہ اپنے آپ سے پوچھو، حالانکہ یہ جملہ یہاں سل ماشئت کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

اسی طرح ایک بار بلادِ یمن کا ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، لغت حمیر میں حرف تعریف الف لام کی جگہ الف میم تھا، اور وہ ال کی جگہ ام بولا کرتے تھے، چنانچہ اس نے اپنے لہجے کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں سوال کیا:

امن امبرا مصيام فى امسفر (۱۲۷)

کیا سفر کی حالت میں روزہ رکھنا نیکی کا کام ہے؟

یہاں درست اور عربوں میں رائج اسلوب کے مطابق جملہ یوں ہونا چاہئے تھا **امن البر الصيام فى السفر**، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب اسی کے لہجے میں یوں دیا، **ليس من امبرا مصيام فى امسفر** (۱۲۸)

اور ایک بار بنی سُلیم کے ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، **يا رسول الله (صلى الله عليه وسلم) ايدا لک الله الرجل اهله** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اذا كان مفلجا** (۱۲۹) یہاں **يدالک يما طل** کے معنی میں ہے اور **مفلجا مفلسا** کے معنی میں۔

پھر روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موقع محل اور مخاطب کی رعایت سے عربی اور اس کے مختلف لہجوں کے علاوہ دوسری زبانوں کے الفاظ بھی اثنائے گفتگو اور خطاب میں استعمال فرماتے تھے، چند مثالیں اس کی بھی ملاحظہ کیجئے۔

غزوۂ خندق کے موقع پر جب مسلمان بھوک سے بے حال تھے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاں موجود بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور روٹی پکوا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا اور عرض کیا

یا رسول اللہ: ذبحینا بھیمۃ لنا، وطحنت صاعاًمن شعیر، فتعال انت و نفر۔ (۱۳۰)

اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور ایک صاع (ساڑھے تین سیر تقریباً) جو کی روٹی تیار کی ہے، سو آپ اور چند حضرات تشریف لے آئیں۔

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے اعلان فرمایا:

یا اھل الخندق ان جابرا قد صنع سورا فحی ھلا بکم۔ (۱۳۱)

اے اہل خندق جابر نے تمہاری دعوت کی ہے سوتم سب چلو۔

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سور کالفظ استعمال فرمایا، یہ طبری کے بقول فارسی میں اس طعام کو کہتے ہیں جس پر لوگوں کو دعوت دی جائے، اور ایک قول کے مطابق یہ حبشی زبان کالفظ ہے۔ (۱۳۲)

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت ام خالدؓ جب چھوٹی تھیں ایک بار آپ ﷺ کے پاس آئیں، انہوں نے زرد قمیص پہنی ہوئی تھی، انہیں دیکھ کر آپ نے فرمایا سنہ سنہ اچھا اچھا ہے، (دوسری روایت میں سناہ، سناہ ہے (۱۳۳) یہ حبشی زبان میں حسن کے معنی میں ہے۔ (۱۳۴)

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ پیٹ میں تکلیف کی شکایت کی آپ ﷺ نے ان سے فرمایا یا ابا ہریرۃ اشکمت درد؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا

قم فصل فان فی الصلاۃ شفاء۔ (۱۳۵)

اٹھواور نماز پڑھو کیونکہ نماز میں شفا ہے۔

یہاں اشکمت درد فارسی زبان کالفظ ہے، جس کے معنی ہیں اشتکیت بطنک؟ کیا تم درد شکم کی شکایت کرتے ہو؟ لیکن اس روایت میں ایک بات محل نظر ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ فارس سے تعلق نہیں رکھتے تھے، پھر آپ ﷺ نے ان سے فارسی میں کیوں بات کی؟ (۱۳۶)

فصل و ترتیل: خطابت سے چونکہ مقصود اپنی بات اور مافی الضمیر مخاطبین تک پہنچانا ہوتا ہے، اس لئے اس میں پہلی اور اولین ضرورت یہ ہوتی ہے کہ عمدہ، سادہ اور سہل اسلوب اختیار کیا جائے، تا کہ بات سننے والوں تک کسی ابہام کے بغیر پہنچ جائے، یہ ابہام کبھی مشکل و غیر فصیح الفاظ کے استعمال سے پیدا ہوتا ہے، اور کبھی نا مناسب انداز میں الفاظ ادا کرنے سے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت اور عام گفتگو اس

عیب سے بھی کامل طور پر پاک اور حسنِ کلام کی خوبی سے بہ کمال مزین تھی، الفاظ کی فصاحت و بلاغت کا ذکر تو ماقبل میں فصاحت و بلاغت کے تحت ہو چکا ہے، انداز کے بارے میں ایک روایت میں آتا ہے کہ

وکان فی کلامه ترتیل و ترسیل۔ (۱۳۷)

آپ (ﷺ) کی گفتگو میں ترتیل اور ٹھہراؤ ہوتا تھا۔

آنحضرت ﷺ اس انداز میں گفتگو فرماتے تھے کہ سننے والا اسے بہ سہولت حفظ کر لیتا تھا، اور ادبِ نبوی کے بے شمار شہ پارے احادیث کی صورت میں جو ہم تک پہنچ پائے ہیں اس کا ایک سبب صحابۂ کرامؓ کے بے مثال ذوق وشوق و مثالی قوتِ حفظ کے علاوہ یہ بھی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما کان رسول الله ﷺ یسرد سردکم هذا، ولکنه کان یتکلم بکلام یبینه فصل، یحفظه من جلس الیه۔ (۱۳۸)

رسول اللہ ﷺ کی گفتگو تم لوگوں کی طرح لگاتار جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی بلکہ آپ بالکل صاف صاف کلام کرتے تھے، جو واضح اور دوسرے سے ممتاز ہوتا اور آپ ﷺ کے پاس بیٹھنے والا اچھی طرح اسے ذہن نشین کر لیتا تھا۔

اور دوسری روایت میں آتا ہے:

ویتکلم بجوامع الکلم، کلامه فصل لا فضول ولاتقصیر (۱۳۹)

آپ ﷺ جامع الفاظ کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے اور آپ کا کلام ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا، نہ اس میں فضولیات ہوتی تھیں نہ کوتاہیاں۔

بلکہ یہ تک تھا کہ اگر کوئی شخص آپ کے کلام کے جملے گننا چاہتا تو بہ آسانی گن بھی سکتا تھا، ایک اور روایت میں آتا ہے،

کان کلامه فصل یبینه یحفظه کل من سمعه۔ (۱۴۰)

آپ ﷺ کا کلام اس نوعیت کا تھا کہ اگر کوئی سننے والا اسے یاد کرنا چاہتا تو یاد کر سکتا تھا۔

اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے:

انما کان النبی ﷺ یحدث حدیثا لو عده العاد لاحصاه (۱۴۱)

بلا شبہ نبی کریم ﷺ اس طرح گفتگو کرتے کہ اگر کوئی شخص آپ کے الفاظ گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے خطبا کو ناپسند کرتے تھے جو باچھیں کھول کر اور غیر مناسب انداز میں خطاب کرتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ یبغض البلیغ من الرجال الذی یتخلل بلسانہ کما تتخلل البقرۃ (۱۴۲)

اللہ تعالیٰ ایسے خطبا کو ناپسند کرتا ہے جو خطاب کے دوران اپنی زبان اس طرح ہلاتے ہیں جیسے گائے جگالی کرتی ہے۔

آپ ﷺ خطابت میں شستہ انداز بیان اور مخاطبین کی ذہنی استعداد کی رعایت رکھنے کو ضروری قرار دیتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ انسان کا حسن کس بات میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا حسن و جمال تو اس کی زبان میں ہے۔(۱۴۳) اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

امرت ان اخاطب الناس علی قدر عقولھم (۱۴۴)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے ان کی ذہنی استعداد کے مطابق کلام کیا کروں

اسی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضول گفتگو اور لفاظی کو بھی ناپسند فرمایا ہے، آپ نے فرمایا:

الحیاء والعی شعبتان من الایمان، البذاء والبیان شعبتان من النفاق (۱۴۵)

حیاء اور کم گوئی ایمان کے دو شعبے ہیں، جب کہ فحش گوئی اور خواہ مخواہ کی لفاظی نفاق کے دو شعبے ہیں۔

برجستگی اور فی البدیہ گفتگو پر مکمل قدرت : برجستگی اور ارتجال مسلمہ طور پر کلام کی خوبیوں میں شمار ہوتے ہیں، اور بے تکلفی سے سادگی کے ساتھ اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے اور اپنے سامعین و حاضرین تک پہنچانا خطیب کی کامیابی تصور ہوتا ہے، خطیب اعظم نبی برحق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں یہ خوبی بھی اپنے امتیاز کے ساتھ موجود ہے، جاحظ کہتا ہے:

وجل عن الصنعۃ، ونزہ عن التکلف، وکان کما قال اللہ تبارک و تعالیٰ قل یا محمد وَ مَا اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ۔ (۱۴۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تکلف وتصنع سے بری ہوتا تھا، اور صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر تھا کہ ''اے محمد (ﷺ) آپ کہ دیجئے کہ میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں''۔ (۱۴۷)

اسی بنا پر فی البدیہہ خطابت کو آپ ﷺ کا علیحدہ سے معجزہ سمجھا جاتا ہے، ایک عرب شاعر کہتا ہے

لو لم تكن فيه آيات مبينة

كانت بداهته تنبيك بالخبر (۱۴۸)

آپ ﷺ کو اگر فی البدیہہ خطابت کے معجزے کے علاوہ کوئی دوسرا معجزہ نہ بھی عطا ہوتا تب بھی خود یہی بات تمہیں بتانے کے لئے کافی تھی کہ آپ ﷺ نبی مرسل اور اللہ کے مبعوث فرمودہ پیغمبر ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كان يكره التصنيع كله، كان يعرض عن كل كلام قبيح قال: اياك والتشادق و قال: ان الله يبغض البليغ من الرجال الذي يتخلل بلسانه تخلل البقرة بلسانها۔ (۱۴۹)

آپ ﷺ ہر قسم کے تکلف کو ناپسند کرتے اور ہر طرح کے قبیح کلام سے اعراض فرماتے تھے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ باچھیں کھول کر گفتگو نہ کیا کرو یقیناً اللہ ایسے بلیغ آدمی سے بغض رکھتا ہے جو یوں چرتا ہے جیسے گائے چرتی ہے۔

اختصار: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خطابت میں اختصار کو پسند فرماتے تھے، بلاضرورت طویل خطبے آپ کو ناپسند تھے، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ نماز کی طوالت اور خطبے کا اختصار انسان کے تفقہ کی دلیل ہے۔ (۱۵۰) اگر چہ بعض مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل خطبے بھی ارشاد فرمائے ہیں، مگر بلا ضرورت یا بات بڑھانے کے لئے آپ ﷺ نے کبھی خطبے کو طول نہیں دیا، اور اگر کبھی بات طویل بھی ہوئی تو وہ ضرورت سے اور اس وقت الفاظ کے ساتھ ساتھ معانی کی بھی کثرت ہوتی، اور زائد از ضرورت الفاظ قطعاً استعمال نہ فرماتے، ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انداز بیان بھی ایک جادو ہے، اس لئے تم نمازوں کو طول دیا کرو، مگر خطبوں میں اختصار سے کام لیا کرو۔ (۱۵۱)

ایک مرتبہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی اور اس میں اختصار سے کام لیا، لوگوں

نے عرض کیا کہ مزید کچھ فرمائیں تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نمازیں طویل کرنے اور خطبے مختصر کرنے کا حکم فرمایا تھا۔(۱۵۲)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو شام کی جانب لشکر دے کر روانہ فرمایا تو انہیں یہ نصیحت بھی فرمائی تھی:

اذا وعظت جندک فاوجز فان کثیر الکلام ینسی بعضه بعضا(۱۵۳)

جب اپنے لشکر کو وعظ کی غرض سے خطاب کرنا تو مختصر کرنا کیوں کہ طویل کلام یاد نہیں رہتا۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا، اور محض دس گیارہ جملوں میں اپنی گفتگو مکمل فرمادی، آپ نے فرمایا:

ایها الناس، ان لکم معالم فانتهوا الی معالمکم وانّ لکم نهایة فانتهو الی نهایتکم، ان المؤمن بین مخافتین عاجلٌ قد مضٰی لایدری ماالله صانع به، واجل قد بقیی لا یدری مالله قاضٌ فیه، فلیاخذِ العبد من نفسه لنفسه، ومن دنیاه لآخرته، ومن الشبیة قبل الکبرة، ومن الحیلة قبل الموتِ فوالذی نفس محمد بیده مابعد الموت من مستعتب ولا بعد الدنیا من دارِالا الجنة او النار۔(۱۵۴)

لوگو! تمہارے لئے کچھ بلندیاں ہیں ان تک پہنچو، تمہاری ایک منزل ہے اس کو پانے کی کوشش کرو، مؤمن دو خوفوں کے درمیان ہے ایک دنیا کی زندگی جو گزر رہی ہے اور مؤمن نہیں جانتا کہ اللہ اس سے کیا سلوک کرے گا، دوسری آخرت کہ وہ نہیں جانتا کہ اللہ اس کے بارے میں کیا فیصلہ کرے گا، آدمی اپنے نفس سے اپنے فائدے کے لیے کچھ حاصل کرلے، اپنی دنیا سے آخرت کما لے اور بڑھاپے سے پہلے جوانی اور موت سے پہلے زندگی سے کچھ حاصل کرلے، موت کے بعد طلب رضا کا موقع نہیں اور دنیا کے بعد جنت یا جہنم کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں

سجع اور قافیہ بندی : سجع منثور کلام کو کہتے ہیں، جس میں ہر جملے یا چند جملوں کے آخری الفاظ ہم قافیہ اور یکساں ہوتے ہیں، مگر پورا جملہ کلام موزوں پر مشتمل نہیں ہوتا، (۱۵۵) عرب میں دورِ جاہلیت میں سجع و منثور عبارتوں کا کافی رواج تھا، خصوصاً کاہنوں کا پورا کلام ہی اس اسلوب میں ہوا کرتا تھا، جس کی تفصیل دورِ جاہلی کی خطابت کے بیان میں اس کی اقسام کا ذکر کرتے ہوئے بیان کی جا چکی ہے، چونکہ یہ سجع محض لفاظی کا شاہکار ہوتا تھا، اور ان کا مقصد الفاظ کے شکوہ اور عبارت کے رعب و دبدبے سے مفہوم خبط کرنا اور عوام کو الفاظ کے گورکھ دھندے میں الجھانا ہوتا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند کیا ہے۔(۱۵۶)

ایک مرتبہ بنی ہذیل کی دو خواتین باہم لڑ پڑیں، ان میں سے ایک نے دوسری کو پتھر مار کر قتل کر دیا، مرنے والی خاتون حاملہ بھی تھی، اس کا حمل بھی ضائع ہوگیا، یہ مقدمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ نے فیصلہ فرمایا کہ ضائع ہونے والے جنین (حمل) کی دیت غلام یا باندی ہے اور عورت کی دیت قاتلہ کا خاندان ادا کرے گا، اور اس کے وارث اس کے بیٹے وغیرہ ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ سن کر حمل بن نابغہ ہذلی نے کہا:

یا رسول اللہ ﷺ! کیف اغرم من لا شرب ولا اکل ولا نطق ولا استھل فمثل ذلک یطل

یا رسول اللہ ﷺ! ہم ایک ایسے جنین کی دیت کیوں دیں جس نے کچھ نہ پیا نہ کھایا، نہ بولا نہ آواز نکالی، اس کا خون باطل جانا چاہیے۔

اس کا یہ مسجع کلام سن کر آپ ﷺ نے بطور تنبیہ فرمایا کہ یہ کاہنوں کا بھائی ہے اور ان کی سجع و قافیہ بندی کی عادت کے باعث یہ بھی سجع میں گفتگو کرتا ہے۔(۱۵۷)

جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں بھی سجع اور قافیہ بندی نظر آتی ہے، اور اس کے مظاہر خاص طور پر آپ ﷺ سے منقول دعاؤں میں اور خطبات میں نظر آتے ہیں دعاؤں کے بارے میں تفصیلی گفتگو باب اول میں فصاحتِ نبوی کے تحت ہو چکی ہے، خطبات کے سلسلے میں چند مثالیں ملاحظہ کیجئے:

الا ایھا الناس، توبوا الی ربکم قبل ان تموتوا، وبادروا الا عمال الصالحۃ قبل أن تشغلوا، وصلوا الذی بینکم وبین ربکم بکثرۃ ذکرکم لہ۔(۱۵۸)

خبردار اے لوگو! اس سے پہلے کہ تمہیں موت آئے اپنے رب سے توبہ کرلو، مصروفیات میں الجھنے سے قبل ہی اعمال صالحہ کے لئے سبقت کرو، اور کثرت ذکر اللہ اور پوشیدہ وظاہر صدقے سے اپنے رب سے اپنا رشتہ مضبوط کرلو۔

آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح کے وقت جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس کا ایک اقتباس بھی جمع کی خوبصورت مثال پیش کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

الحمد لله المحمود بنعمته المعبود بقدرته المرهوب من عذابه، المرغوب فيما عنده، النافذ أمرهُ في سمائه وارضه، الذى خلق الخلق بقدرته، و ميزهم بأحكامه وأعزهم بدينه، واكرمهم بنبيه محمد ﷺ، ثم ان الله تعالى جعل المصاهرة نسباً لاحقاً وامر مفترضاً و وشج به الأرحام وألزمه الانام، قال تبارک اسمه وتعالىٰ ذكره، وهو الذى خلق من الماء بشراً فجعله نسباً وصهراً وكان ربک قديرا (۱۵۹)

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو اپنی نعمتوں کے سبب قابلِ ستائش اور اپنی قدرت کے طفیل قابل پرستش ہے، جس کے عذاب سے ڈرا جاتا ہے اور جس کے حضور میں باریابی کی خواہش کی جاتی ہے، جس کا حکم اس کے آسمان اور زمین پر نافذ ہے، وہ جس نے اپنی قدرت سے مخلوق پیدا کی، اسے اپنے احکام سے ممتاز کیا، اپنے دین سے عزت بخشی اور اپنے نبی محمد ﷺ کے طفیل بزرگی عطا کی، پھر اللہ تعالیٰ نے رشتہ مصاہرت (خسر و داماد بننا) کو بھی نسب کا درجہ دیا اور اسے ایک امر فرض قرار دیا، اس کے طفیل رحموں کو جوڑا اور اسے مخلوق کے لئے لازم ٹھہرایا اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا، پھر اسے نسب اور مصاہرت سے شرف عطا کیا، اور تیرا رب تو قدرت والا ہے۔

اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس کا ابتدائی جملہ یہ تھا:

لا اله الا الله وحده لا شريک له، صدق وعده، ونصره عبده وهزم الاحزاب وحده (۱۶۰)

اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا لشکروں کو شکست سے دوچار کر دیا۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ ایک جانب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجع کو ناپسند فرمایا اور دوسری جانب خود آپ کے کلام میں اس کی مثالیں ملتی ہیں، جیسا کہ ہم ابھی اس جانب اشارہ کر آئے ہیں کہ دورِ جاہلی کے کاہنوں کا سجع محض سجع نہ تھا، بلکہ اس کے ساتھ بہت سی غلط روایات وابستہ تھیں، جن کی نہ صرف شرعاً کوئی اصل نہیں تھی بلکہ وہ اسلامی تعلیمات سے براہ راست متصادم بھی تھیں، اس بنا پر ان سے عوام الناس کی وابستگی ختم کرنا ضروری تھا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے آپ کے کلام میں محض زورِ بیان میں اضافہ ہوتا ہے، اس کا اور کوئی مفہوم نہیں نکلتا۔ (۱۶۱) شاید یہی وجہ ہے کہ خود کلام حکیم قرآن مجید میں اس قسم کے سجع کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، واللہ اعلم بصواب وعلمہ اکمل واتم۔

کلام کی جامعیت : نبیٔ امی علیہ الصلاۃ والتسلیم کی خطابت کی ایک خوبی اس کی جامعیت ہے، آپ نے مفصل گفتگو بھی فرمائی، اور مختصر ترین خطبے بھی ارشاد فرمائے، لیکن ہر جگہ اور ہر مقام پر یہی محسوس ہوا کہ یہاں آپ ﷺ نے جو اسلوب اختیار فرمایا ہے اس موقع کے لئے وہی مناسب تھا، اور اس موقع پر نہ اس سے زیادہ کچھ کہنے کی گنجائش تھی نہ کم، آپ اپنے خطاب کے لئے جن الفاظ کا استعمال فرماتے تھے، وہ بھی جاحظ کے الفاظ میں جامع ومانع ہوتے تھے، وہ کہتا ہے۔

وھو الکلام الذی قل عدد حروفه و کثر عدد معانیه۔ (۱۶۲)

یہ ایسا کلام ہے، جس کے حروف کی تعداد تک کم ہے مگر معانی کا بحر ذخار ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو، کلام اور خطابت کو جوامع الکلم نے مزید وسعت، گہرائی اور رعنائی عطا کی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

اوتیت جوامع الکلم وجعلت لی الارض مسجداً و طھورا (۱۶۳)

مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے ہیں اور میرے لئے پوری زمین کو سجدہ گاہ اور پاک بنا دیا گیا ہے،

علامہ عطیہ ابراشی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی خوبیوں کو شمار کراتے ہوئے اثنائے کلام میں یہ واضح اور مبنی بر حقیقت جملہ بھی تحریر فرمایا ہے:

المشتمل على جوامع الكلم و بدائع الحكم، المتضمن بقليل المباني كثيرا من المعاني (۱۶۴)

آپ ﷺ کا کلام جامع الکلم اور عجیب نوعیت کی حکمتوں پر مشتمل ہے، اس کے الفاظ وحروف تو قلیل ہیں، مگر ان میں معانی کی فراوانی ہے۔

آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت کے اس پہلو پر فصاحت و بلاغت کے بیان میں مفصل گفتگو ہو چکی ہے، یہاں خطابت کی مناسبت سے اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے، رسول اکرم ﷺ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا، وہ اس کی بہترین مثال ہے، جس میں آپ نے مختصر جملوں میں بڑی کارآمد ہدایات، مفید معلومات اور مؤثر نصیحتیں جمع فرما دی ہیں، اس کا ایک حصہ ملاحظہ کیجئے۔

ايها الناس امابعد: فان أصدق الحديث كتاب الله، و أوثق العرى كلمة التقوى، وخير الملل ملة ابراهيم عليه السلام، وخير السنن سنة محمد، و أشرف الحديث ذكر الله، وأحسن القصص هذا القرآن، وخير الأمور عواقبها وشر الأمور محدثاتها، وأحسن الهدى هدى الأنبياء، و أشرف القتل قتل الشهداء، وأعمى الضلالة الضلالة بعد الهدى، وخير الأعمال مانفع، وخير الهدى ما أتبع، وشر العمى عمى القلب، واليد العليا خير من السفلى، وما قل وكفى خير مما كثر و ألهى (۱۶۵)

سب سے زیادہ سچی بات کتاب اللہ ہے، اور سب سے مضبوط سہارا تقویٰ کا کلمہ ہے، سب سے بہتر ملت، ملت ابراہیمی ہے، اور سب طریقوں میں سے بہترین طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ ہے، اور تمام باتوں میں بہترین بات اللہ کا ذکر ہے، اور سب قصوں میں سے بہترین قصہ یہ قرآن ہے۔ سب سے بہتر کام وہ ہیں جو انسان پوری تندہی سے کرے۔ اور بدترین کام وہ ہیں (جو دین میں) از خود وضع کر لئے جائیں۔ تمام راہوں میں سب سے عمدہ راہ انبیائے کرام کی راہ ہے، اور سب سے بہتر موت شہادت کی موت ہے، اور سب سے برا اندھاپن

ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ بہتر عمل وہ ہے جو نفع دے اور بہتر ہدایت وہ ہے جس پر عمل کیا جائے، اور سب سے برا اندھاپن دل کا اندھاپن ہے۔ اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ جو چیز کم ہو مگر کافی ہو وہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ ہو مگر غافل کرنے والی ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم کے مظاہر آپ ﷺ کے خطبات کے علاوہ آپ کی دعاؤں اور عام گفتگو میں بھی کثرت کے ملتے ہیں، اس کی کئی ایک مثالیں فصاحت و بلاغت کے بیان میں گذر چکی ہیں، یہاں صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے، آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

اشد اھل النار عذاباً من قتل نبیا او قتله نبیٌ و امام جائر وھٰؤلاء المصورون۔(۱۶۶)

دوزخ میں سب سے زیادہ عذاب والا شخص وہ ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہوگا، یا اسے کسی نبی نے قتل کیا ہوگا، اور ظالم حکمران اور یہ مصور لوگ۔

دل سوزی و خیر خواھی : ایک ایسے خطیب کے لئے جس کا مقصد اولین اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کی مخلوق تک پہنچانا ہو، خلوص، دل سوزی و خیر خواہی کے جذبات نہایت اہم، ضروری اور لازمی ہیں، درحقیقت وعظ و تذکیر کے لئے سب سے اہم چیز مبلغ و داعی کی اپنے کام کے ساتھ سچی، گہری اور کامل وابستگی ہے، یہی چیز ان کے اندر دل سوزی اور مدعو کے لئے خیر خواہی کے جذبات پیدا کرتی ہے، اور ان جذبات پر ہی دعوت و تبلیغ کی بنیاد ہے، کیونکہ یہ ایسا عمل ہے جس کے نتیجے میں مدعو کی قلبی ماہیت اور دل کی دنیا یکسر تبدیل ہو جاتی ہے، ایسے میں کوئی شخص خاندانی پس منظر، تاریخی تسلسل، نظریاتی وابستگی، آبا و اجداد کی روایات اور خاندانی وقار کو اس وقت تک نہیں بھلا سکتا جب تک اسے داعی کی بے لوثی، خیر خواہی، دلی تعلق اور دل سوزی کا پختہ یقین نہ ہو جائے، اس بنا پر ایک خطیب کے لئے جو اللہ کے پیغام کو اس کی مخلوق تک پہنچانے کا عزم لے کر اٹھا ہو، دل سوزی و خیر خواہی کے جذبات نہایت ضروری ہیں، عامر بن عبد قیس کا مقولہ ہے:

الکلمة اذا خرجت من القلب و قعت فی القلب، واذا خرجت من اللسان لم تجاوز الاذنان (۱۶۷)

بات جب دل سے نکلتی ہے تو سیدھی دل میں جا بیٹھتی ہے، اور جب وہ محض زبان سے ادا ہوتی ہے تو کانوں سے آگے نہیں بڑھتی۔

جب ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ مطالعہ کرتے ہیں تو یہ عنصر اس میں اپنے کمال کے ساتھ نظر آتا ہے، اسی لئے قرآنِ حکیم میں آپ ﷺ کے بارے میں یہ گواہی موجود ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ج وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔(۱۶۸)

اے محمد (ﷺ) یہ تو کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی رحمت ہے جو آپ ان کے لئے نرم دل ہیں اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ O (۱۶۹)

بیشک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جس پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے، جو تمہاری بھلائی کا بڑا خواہش مند ہے، وہ مومنوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

جبکہ ایک مقام پر تو قرآنِ حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی اور مشرکین کفار کے لئے آپ کے جذبۂ رحم و ترحم کا ذکر کرتے ہوئے یہ تک کہہ دیا کہ آپ تو اپنے آپ کو ان کے غم میں ہلاک ہی کر ڈالیں گے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا O (۱۷۰)

سو شاید اس افسوس میں کہ وہ اس بات پر ایمان نہیں لاتے، آپ اپنے آپ کو ہلاک ہی کر ڈالیں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبۂ خیر خواہی کا یہ سب سے عمدہ بیان اور سب سے بہترین گواہی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت کا ایک امتیازی پہلو ہے، اسی جذبے نے آپ ﷺ کے خطبات کو اس قدر اثر انگیز بنا دیا تھا کہ مشرکین و کفارِ مکہ آپ کی گفتگو اور تقریر سے لوگوں کو باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے کہ کہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سن کر اسے تسلیم نہ کر لیں۔(۱۷۱)

بامقصد خطابت : مقصد ہی وہ چیز ہے جو کسی عمل کو اعتبار عطا کرتا ہے اور اسلام

نے تو مقصد کو بہت اہمیت دی ہے، اس لئے اعمال کا دارو مدار نیت پر قرار دیا ہے (۱۷۲) اسی کسوٹی سے کھوٹے اور کھرے کی پہچان ہوتی ہے، اور اس کے بغیر بڑے سے بڑا عمل بھی اکارت جا سکتا ہے۔

ایک نبی کی ذمے داری ہی یہی ہے کہ وہ مخلوقِ خدا کا تعلق اس کے خالق کے ساتھ استوار کرے، اور شریعت مطہرہ کی روشنی میں ان کی کجی اور کج روی کو دور کرے، پھر سردار الانبیاء علیہ الصلاۃ والسلام کا مقام و مرتبہ سب سے بلند ہے، اور آپ چونکہ خاتم الانبیاء بھی ہیں اس لئے آپ کی ذمے داریاں بھی زیادہ ہیں، اس لئے آپ کے مقاصدِ خطابت بھی زیادہ وقیع ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کوئی بات فرمائی تو اس کے پیچھے کوئی بڑا مقصد موجود تھا، اور آپ کی خطابت بھی اسی نوعیت کی ہے، جس میں ڈھونڈنے والا ایک جملہ اور ایک لفظ بھی زائد از ضرورت تلاش نہیں کر سکتا۔

یہ کلام نبوی کی مقصدیت ہی تھی جس نے آپ کی خطابت کو اس قدر اثر انگیز بنا دیا تھا کہ آپ ﷺ کی مخالفت پر کمر بستہ شخص فقط آپ کی زبان مبارک سے چند جملے سن کر دامن رحمت سے وابستہ ہو جاتا تھا، آپ کی خطابت سراپا خیر کی دعوت اور بھلائی کا پیغام تھی اور آپ کے بارے میں بالکل درست منقول ہے

لا یحتج الا بالصدق (۱۷۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدق کے سوا بالکل استدلال نہیں کرتے تھے۔

کلامِ نبوی ﷺ کی تاثیر

سادگی سے بھرپور فصاحت و بلاغت اور پوری انسانیت کی خیر خواہی سے لبریز خیالات اور ہر معاملے میں علم و عمل میں یکسانیت اور توافق کی بناء پر ہادیٔ برحق، ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر تاثیر پیدا فرما دی تھی کہ جو کسی اور راہنما اور خطیب کے کلام کو حاصل نہیں ہو سکی، کلامِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تاثیر خود آپ ﷺ کے افصح العرب ہونے کی اضافی شہادت بھی ہے اور آپ ﷺ کے ہادیٔ برحق ہونے کی بین و روشن دلیل بھی، کتنی ہی بار ایسے مواقع پیش آئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لبِ مبارک سے ادا ہونے والے چند جملوں نے فضا بدل ڈالی، جان لینے کی نیت سے آنے والے اپنی ہزار جانیں نچھاور کرنے پر آمادہ ہو گئے، سنگین سے سنگین صورتِ حال لمحوں میں تبدیل ہو گئی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے منظر نامہ کچھ سے کچھ ہو گیا۔ اس بناء پر قریش اور مشرکینِ مکہ عامۃ الناس کو آپ ﷺ کی گفتگو سننے سے منع کرتے تھے اور ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ کوئی شخص آپ ﷺ کی گفتگو نہ سننے پائے۔ (۱۷۴)

چنانچہ جب طفیل دوسی رضی اللہ عنہ جو قبیلہ دوس کے بڑے شاعر، ذہین اور سمجھدار شخص تھے، مکہ

آئے تو قریش نے انہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈرایا اور ان سے کہا کہ اُن کا کلام سحر کی مانند ہے، وہ باپ بیٹے، بھائی بھائی اور میاں بیوی میں جدائی ڈال دیتا ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو آپ ﷺ کا کلام نہ سنیں، کیونکہ جو شخص ان کا کلام سن لیتا ہے وہ انہی کا ہو جاتا ہے، قریش کی باتوں سے متاثر ہو کر حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ نے اپنے کانوں میں کپڑا ٹھونس لیا تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہ سن سکیں۔

ایک روز اسی حال میں مسجد حرام کی طرف گئے تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے سامنے کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں، طفیل دوسیؓ اگر چہ آپ ﷺ کا کلام سننا نہیں چاہتے تھے لیکن دل میں یہ خیال آیا کہ میں خود اچھا شاعر ہوں اور کلام کے حسن و قبح سے واقف، اس لئے یہ کلام ضرور سننا چاہئے اور اگر اچھا اور بہتر ہو تو قبول بھی کرنا چاہئے، چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ کر سننے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر میں نماز سے فارغ ہو کر گھر کی طرف روانہ ہو گئے، طفیل دوسیؓ بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل دیئے جب آپ گھر پہنچے تو وہ بھی پیچھے پیچھے گھر پہنچ گئے، اور آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ اے محمد، آپ کی قوم نے مجھے اس قدر ڈرایا کہ میں نے اپنے کانوں میں کپڑا ٹھونس لیا کہ کہیں آپ کی آواز مبارک میرے کانوں میں نہ پڑ جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ میں آپ کا کلام سنوں سو میں نے حسین و بھلا کلام سنا، سو میرے سامنے اپنی دعوت پیش کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اسلام پیش کیا اور قرآن کریم کی تلاوت فرمائی، طفیل دوسیؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے اس سے بہتر کلام آج تک نہیں سنا تھا، اور نہ اسلام سے زیادہ معتدل دین کسی کا پایا، پھر وہ اسلام لائے، حق کی گواہی دی اور آپ ﷺ سے اجازت لے کر اپنی قوم میں تشریف لے گئے اور ان کو دعوت اسلام دی ان کی دعوت پر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ (۱۷۵)

حضرت ضماد ازدوی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی آپ ﷺ کے معجزۂ فصاحت و بلاغت کا ایک بڑا ثبوت ہے، ضماد ازدویؓ یمن کے باشندے تھے اور ان کا تعلق قبیلۂ ازد شنوءۃ سے تھا، وہ جنون وغیرہ کا علاج کیا کرتے تھے، وہ ایک بار مکہ مکرمہ آئے تو انہوں نے اہل مکہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ محمد (ﷺ) مجنون ہیں (نعوذ باللہ) وہ یہ سن کر کہنے لگے کہ کیا خبر اللہ تعالیٰ ان کے جنون کا علاج میرے ہاتھ سے کرا دے، وہ آپ ﷺ سے ملے اور کہنے لگے کہ میں جنون کا علاج کرتا ہوں اور اللہ نے بہت سوں کو میرے ذریعے شفا دی ہے سو کیا آپ کا علاج کروں، ان کی یہ گفتگو سن کر آپ ﷺ نے خطبے کے یہ کلمات ارشاد فرمائے:

ان الحمد لله، نحمده و نستعينه، من يهده الله فلا مضل له،

ومن يضلل فلاهادي له، وأشهد ان لا اله الا الله وحده
لاشريك له، وأن محمدا عبده ورسوله، أما بعد!

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، ہم اسی کی حمد کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں، جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ ہی راستہ نہ دکھائے تو اس کی کوئی راہنمائی نہیں کرسکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، امابعد،

آپ ﷺ اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ ضماد رضی اللہ عنہ کہا اٹھے کہ یہ کلمات دوبارہ کہیے، سو آپ ﷺ نے یہ کلمات ان کے سامنے تین بار دہرائے، اس کے بعد وہ کہنے لگے کہ میں نے بہت سے کاہنوں، ساحروں اور شعراء کے کلام سنے ہیں، لیکن ایسا (پراثر) کلام میں نے آج تک نہیں سنا۔ یہ کلمات تو اتھاہ سمندر کی مانند ہیں، اپنا دست مبارک بڑھائیے تا کہ میں اسلام پر بیعت کروں۔(۱۷۶)

اس سے بھی بڑھ قریش کے معزز سمجھے جانے والے عمر رسیدہ سردار ولید بن مغیرہ کا واقعہ ہے، اس نے قریش کے سرداروں کو جمع کیا، موسم حج اس وقت قریب تھا، وہ ان سے کہنے لگا کہ عنقریب (حج میں شرکت کے لئے) عرب کے وفود تمہارے پاس آنے والے ہیں، انہوں نے تمہارے اس ساتھی (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم) کا قصہ سن رکھا ہوگا، سو اس بارے میں تم اپنی ایک رائے قائم کرلو، ایسا نہ ہو کہ آپس میں ایک دوسرے کی تکذیب کرتے پھرو، اور ایک دوسرے کے قول کی تردید کرنے لگو، انہوں نے کہا کہ اے عبد شمس (ولید کی کنیت) تم ہی کوئی رائے قائم کرو جس پر ہم اتفاق کرلیں، ولید کہنے لگا کہ نہیں تم اپنی رائے ظاہر کرو، میں تم سے سننا چاہتا ہوں، وہ کہنے لگے کہ ہم یہ کہیں کہ آپ (ﷺ) کاہن ہیں؟ ولید بولا کہ وہ کاہن نہیں ہیں، میں نے کاہنوں کو دیکھا ہے، آپ ﷺ کا کلام کاہنوں کی بھنبھناہٹ سے میل نہیں کھاتا، پھر وہ کہنے لگے کہ کیا ہم یہ کہیں کہ وہ مجنون ہیں؟ ولید کہنے لگا کہ نہیں وہ مجنون بھی نہیں ہیں، میں نے جنون دیکھا ہے اور اسے میں اچھی طرح پہچانتا ہوں، آپ ﷺ کا کلام حالت جنون کے غیظ وغضب، تردد وتفکر اور وسوسے سے بھی نہیں ملتا۔ انہوں نے کہا تو کیا ہم یہ کہیں کہ وہ شاعر ہیں؟ ولید بولا نہیں وہ شاعر بھی نہیں ہیں ہم شعر سے بھی بخوبی واقف ہیں اور اس کی تمام اقسام مثلاً رجز، ہزج، قریض اور مقبوض مبسوط وغیرہ سب جانتے ہیں، وہ پھر بولے تو کیا ہم انہیں ساحر کہیں؟ ولید بولا نہیں وہ ساحر بھی نہیں، ہم نے ساحر بھی دیکھے ہیں

اوران کا سحر بھی، آپ کا کلام نہ ساحروں کا سا پھونکنا ہے نہ ان کی طرح گرہ لگانا، آخر کار قریش کے سردار بولے کہ ابوعبدالشمس ہم پھر اور کیا کہیں؟ وہ کہنے لگا:

واللہ ان لقولہ لحلاوۃ، وان أصلہ لمغدق، وأن فرعہ لجنی، فما أنتم بقائلین من ھذا شیئا الاعرف أنہ باطل، وأن أقرب القول لأن تقولوا ھذا ساحر۔

واللہ ان کے قول میں عجیب حلاوت ہے، اوراس کی اصل نہایت تروتازہ اوراس کی شاخیں پھل دار ہیں، اور جو کچھ تم نے کہا ہے میں خوب جانتا ہوں کہ وہ بالکل باطل اور لغو ہے، میرے خیال میں سب سے بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ ساحر ہیں

اور مستدرک کی روایت میں آتا ہے کہ ولید نے سرداران قریش کی اس مفصل مشاورت کے جواب میں ان الفاظ میں اپنا تبصرہ پیش کیا تھا۔

اور خدا کی قسم آپ ﷺ کا قول عجیب قسم کی حلاوت اور شادمانی سے بھرپور ہے، اور اس کا بلند و بالا حصہ پھل دار اور اس کا نچلا حصہ نہایت تروتازہ ہے، اور یہ کلام یقیناً بلند ہو کر رہے گا اور کبھی مغلوب نہ ہوگا، اور یہ سب کو کچل کر رکھ دے گا (۱۷۷)

ایک ایسے شخص کی جانب سے جو نہایت عمر رسیدہ اور تجربہ کار بھی تھا اور شعر و کہانت اور سحر و جنون سمیت ان کی تمام اقسام و انواع سے بخوبی واقف بھی اور ساتھ ساتھ آپ ﷺ کا مخالف و حریف بھی تھا، یہ بہت بڑی گواہی ہے اور کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اثر آفرینی اور تاثیر انگیزی کی ایک وقیع شہادت بھی ہے

اسی طرح جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے اور ان کے اسلام لانے سے اسلام کو تقویت ملی تو قریش کو سخت تشویش لاحق ہوئی، ایک روز تمام سردار دارالندوہ میں جمع تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرم میں تنہا بیٹھے تھے کہ ابوالولید عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا بڑا سردار اور بہت بردبار شخص تھا کہنے لگا کہ اے قریش کیا میں محمد (ﷺ) کو چند پیشکش نہ کروں، شاید وہ کوئی بات قبول کرلیں، اور ہم انہیں پورا کردیں، اس طرح ہم ان کی جانب سے لائے ہوئے اس مسئلے سے بھی نکلنے میں کامیاب ہو جائیں۔ قریش نے اس تجویز کو قبول کرلیا۔ عتبہ بن ربیعہ وہاں سے اٹھ کر آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے بھتیجے! تم ہم میں خاندان و قبیلے کے شرف اور نسب کی عظمت کے لحاظ سے نمایاں (اور سب سے فائق) حیثیت کے مالک ہو، لیکن تم نے اپنی قوم کو ایسے بڑے مسئلے میں مبتلا کردیا ہے، جس نے

تمہاری قوم کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے، ان کے آباو اجداد کو نادان بتاتے ہو، ان کے معبودوں اور ان کے دین کو برا کہتے ہو، اور ان کے گذر جانے والے اسلاف کو کافر قرار دیتے ہو، سو میری بات توجہ سے سنو، میں چند باتیں پیش کرتا ہوں، ان پر غور کرلو، شاید ان میں سے کچھ قبول کرسکو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوالولید کہو میں سن رہا ہوں، اس نے کہا: اے بھتیجے! اگر اس تمام تگ و دو سے تمہاری غرض مال و دولت ہے تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ گے۔ اگر تم اس طرح شرف و عزت کے خواہشمند ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں، کوئی شخص تمہارے حکم سے رو گردانی نہیں کرے گا۔ اگر اس سے مقصود بادشاہ بننا ہے تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اور اگر یہ سب کچھ کسی جنون یا بیماری کے سبب سے ہے جسے تم دور کرنے سے قاصر ہو تو ہم کسی طبیب کو بلاتے ہیں اور جب تک صحت یاب نہیں ہو جاتے ہم تمہارا علاج میں اپنا مال خرچ کریں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ سب سن چکے تو فرمایا: اے ابولولید تم جو کچھ کہنا چاہتے تھے وہ کہہ چکے ہو؟ اس نے کہا ہاں: آپ نے فرمایا اچھا اب مجھ سے سنو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ حم سجدہ آغاز حم تنزیل من الرحمٰن الرحیم سے لے کر سجدے تک (۱۷۸) تلاوت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے رہے اور عتبا اپنے دونوں ہاتھ اپنی پشت پر ٹیکے ہوئے خاموشی کے ساتھ سننے میں محو رہا، آپ ﷺ نے آیت سجدہ تلاوت کر کے سجدہ کیا، پھر عتبہ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے ابوالولید تم نے سن لیا! اس نے کہا ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سو تم جانو اور وہ (قریش) جانیں، عتبہ اسی کیفیت میں اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا، اسے دیکھ کر قریش کے سردار آپس میں کہنے لگے کہ عتبہ ایسے چہرے کے ساتھ آرہا ہے جو جاتے وقت نہیں تھا، پھر عتبہ سے ملاقات کے نتائج جاننا چاہے تو اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے جو کچھ سنا، اس سے قبل اس جیسا کلام کبھی نہیں سنا تھا، واللہ نہ وہ شعر ہے نہ کہانت ہے، سرداران قریش، میری بات مانو، اور اس شخص (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے نہ پڑو، اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو، خدا کی قسم میں نے جو کچھ سنا وہ بہت بڑی خبر ہے، اگر عرب اس پر غالب آگئے تو وہ تمہاری طرف سے بھی اس کو کافی ہو جائیں گے، اور اگر وہ عرب پر غالب آگیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت ہے اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے اور اس وقت تم اس کی وجہ سے بہت خوش قسمت ثابت ہو گے۔ یہ سن کر اگرچہ قریش نے اس کا مشورہ نہ مانا، الٹا اسے کہنے لگے کہ تم پر اس نے اپنی زبان کے ذریعے جادو کر دیا، (۱۷۹)

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان ہی کے معزز ترین سردار کی زبان سے اس بات کی تردید کرادی کہ نعوذ

باللہ آپ ساحر، کاہن، شاعر یا مجنون وغیرہ ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک کی چاشنی اور اثر انگیزی کا بھی اعتراف ایک بدترین مخالف سے کروا دیا۔

ایک اہم موقع جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سحر انگیز خطابت اور پر اثر کلام کی اثر آفرینی نے ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دیئے اور غلط فہموں کے شکار چند نوجوانوں کی رائے آن واحد میں تبدیل کر دی، وہ واقعہ ہے جب ہوازن کے مال کی تقسیم ہو رہی تھی تو آپ ﷺ نے ''مؤلفۃ القلوب'' کو مال دیا، اس پر انصار کے کچھ نوجوانوں کو ملال ہوا کہ اس عطاو بخشش کے تو ہم زیادہ حقدار تھے، وہ کہنے لگے کہ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کرے، آپ ﷺ نے قریش کو تو دے دیا اور ہمیں چھوڑ دیا، حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کے خون کے قطرے اب تک ٹپک رہے ہیں، آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے انصار کو جمع فرمایا: پھر ان سے پوچھا کہ کیا یہ بات ہوئی ہے؟ انصار نے کہا کہ ہمارے سمجھدار لوگوں میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی، صرف چند ناسمجھ نوجوانوں نے کہا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد وثناء کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا، آپ نے فرمایا:

یا معشر الانصار ألم أنکم ضلا لا فهداکم الله، وعالة فاغناکم الله، وأعداء فألف الله بین قلوبکم؟

اے گروہ انصار! کیا تم گم کردہ راہ نہیں تھے کہ تمہیں اللہ نے ہدایت دی؟ کیا تم تنگ دست نہیں تھے کہ اللہ نے تمہیں غنی کر دیا؟ کیا تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن نہیں تھے کہ پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو آپس میں جوڑ دیا؟

انصار نے جواب میں یہ سب باتیں تسلیم کیں، آپ ﷺ نے پھر فرمایا:

واللہ ولو شئتم لقلتم فصدقتم و صدقتم، جئتنا طریداً فأویناک، وعائلاً فآسیناک، وخائفاً فأمناک، ومخذولا فنصرناک۔

واللہ اگر تم چاہتے تو تم یوں کہتے اور تم اپنی بات میں سچے ہوتے کہ آپ ہمارے پاس جب آئے تو بے سروسامان تھے ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا، اور آپ تنگ دست تھے ہم نے تعاون کیا اور آپ کو دشمن کا خوف تھا، ہم نے امن دیا اور آپ کی مدد کے لئے کوئی تیار نہ تھا، ہم نے آپ کی مدد کی۔

یہ سن کر انصار کہنے لگے ”نہیں ہم پر اللہ اور رسول اللہ (ﷺ) کا احسان ہے“۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا:

أوجدتم في نفوسكم يا معشر الأنصار في لعاعة من الدنيا تألفت بها قوماً اسلموا، ووكلتكم الى ما قسم الله لكم من الاسلام، افلا ترضون يا معشر الأنصار! أن يذهب الناس الى رحالهم بالشاء والبعير و تذهبون برسول الله الى رحالكم، فوالذي نفسي بيده لو أن الناس سلكوا شعباً و سلكت الانصار شعباً لسلكت شعب الانصار، ولولا الهجرة لكنت امرء من الأنصار، اللهم الرحم الأنصار وأبناء الانصار و أبناء أبناء الانصار۔

اے گروہ انصار! کیا تم اپنے دلوں میں دنیا کے اس معمولی سے مال کی محبت پاتے ہو؟ جو میں نے اسلام لانے والوں کو ان کے تالیف قلب کے لئے دیا ہے؟ اور تمہیں تو میں نے اللہ کی جانب سے تقسیم کئے ہوئے اسلام کا وہ حصہ سونپ دیا ہے جو اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے، اے انصار! کیا تم اس امر پر خوش نہیں کہ لوگ تو اپنے گھروں کو بکریاں اور اونٹ لے کر لوٹیں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے ساتھ لے کر لوٹو؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر تمام لوگ ایک راہ کا انتخاب کریں اور انصار دوسری راہ کا تو میں انصار کے راستے پر چلنا پسند کروں گا: اور اگر ہجرت (کی فضیلت) نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد شمار ہوتا، اے اللہ! انصار پر رحم فرما! اور انصار کی اولاد پر رحم فرما اور انصار کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کے یہ جملے اس قدر اثر انگیز تھے کہ تمام حاضرین رو پڑے اور اس قدر روئے کہ روتے روتے ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں، اور وہ کہنے لگے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے پر راضی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقسیم مال کو قبول کرتے ہیں۔ (۱۸۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے اعجاز تاثیر اور بھی کئی ایک واقعات کتب سیرت و تاریخ

میں ملتے ہیں، یہاں اس موضوع کو ایک واقعہ بیان کر کے ختم کیا جاتا ہے۔

حضرت ضمام ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی اس سلسلے میں نمایاں حیثیت اور بنیادی اہمیت کا حامل ہے، وہ بنوسعد بن بکر سے تعلق رکھتے تھے انہیں بنوسعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو مسجد نبوی کے دروازے پر اپنا اونٹ ٹھہرایا اور اسے باندھ کر مسجد میں داخل ہوئے، اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ ضمام ایک بہادر اور سمجھ دار آدمی تھے، وہ رسول اکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا تم میں سے ابن عبدالمطلب کون ہے یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابن عبدالمطلب میں ہوں ضمام نے کہا محمد؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، پھر حضرت ضمامؓ نے کہا اے ابن عبدالمطلب میں آپ سے کچھ سوالات کروں گا اور پوچھنے میں سختی کروں گا، سو آپ اسے محسوس تو نہیں کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں قطعاً محسوس نہیں کروں گا، سو جو تمہارے دل میں آئے پوچھو۔ انہوں نے کہا: میں آپ کو اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جو آپ کا معبود ہے اور ان لوگوں کا معبود ہے جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اور ان لوگوں کا معبود ہے، جو آپ کے بعد آنے والے ہیں، کیا آپ کو اللہ نے ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہاں۔ انہوں نے کہا کہ میں پھر آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جو آپ کا معبود ہے اور ان لوگوں کا معبود ہے جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں، اور ان لوگوں کا معبود ہے جو آپ کے بعد آنے والے ہیں، کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ آپ ہمیں حکم کریں کہ ہم تنہا اسی اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ان بتوں کی عبادت سے منہ موڑ لیں، جن کی ہمارے آبا واجداد اللہ کے ساتھ پرستش کیا کرتے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں درست ہے۔ حضرت ضمام نے پھر کہا کہ میں پھر آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جو آپ کا معبود ہے اور ان لوگوں کا معبود ہے جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں، اور ان لوگوں کا معبود ہے جو آپ کے بعد آنے والے ہیں، کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ ہم یہ پانچ فرض نمازیں ادا کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت ضمام اسی طرح زکوٰۃ، روزہ، حج اور تمام احکام اسلام کا ذکر کرتے رہے، اور آپ ﷺ کو اسی طرح قسم دے کر ہر بار استفسار کرتے رہے۔ جب وہ اس عمل سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے کہا: سو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، میں اب یہ تمام فرائض ادا کروں گا، اور جن چیزوں سے مجھے روکا گیا ہے، ان سے میں اجتناب کروں گا۔ اور ان احکامات میں نہ تو میں زیادتی کروں گا اور نہ کمی کا مرتکب ہوں گا۔

اس کے بعد وہ اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر وہاں سے اپنی قوم کی طرف روانہ ہو گئے، جب وہ اپنی قوم میں پہنچے تو سب کو جمع کر کے ان سے خطاب کیا، اور ان سے سب سے پہلا جملہ جو کہا وہ یہ تھا:

بئست اللات و العزی

لات اور عزی دونوں برے ہیں

یہ سن کر قوم بولی اے ضمام برص اور جذام سے ڈرو، جنون سے ڈرو، حضرت ضمام بن ثعلبہ کہنے لگے کہ افسوس ہے تم پر، خدا کی قسم لات اور عزی تمہیں نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایک رسول بھیجا ہے اور اس پر ایک کتاب نازل کی ہے جس نے تمہیں ان تمام برائیوں سے بچا لیا ہے جن میں تم اس سے قبل مبتلا تھے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں ان کے پاس سے وہ تمام احکامات لے کر آرہا ہوں جو انہوں نے دیئے اور جن چیزوں سے منع کیا۔ راوی کہتا ہے اس روز شام نہ ہونے پائی تھی کہ اس مجمع میں ایسا کوئی شخص بچا نہ کوئی عورت جو مسلمان نہ ہو گئی ہو، (۱۸۱)

درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت اور آپ کے کلام و خطابت کا اعجاز بیان آپ ﷺ کی نبوت کا حصہ اور آپ کا معجزہ تھا، جس نے انسانی تاریخ کے ایک کٹھن دور میں کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کا فریضہ انجام دیا، جب طرح طرح کی کمزوریاں، برائیاں اور بشری خامیاں عروج پر تھیں، آپ کے اعجازِ خطابت نے بکھرے ہوئے عرب کو ایک لڑی میں پرو دیا، اور برسوں سے باہم پیکار قبائل آنِ واحد میں آپس میں شیر و شکر ہو گئے، جہالتیں علم کی رفعتوں سے بدل گئیں، اور رشدتوں نے اسلام کے عدل و اعتدال کو راہنما بنا لیا، قتل و غارت گری عفو و کرم کی شکل اختیار کر گئی، اور چوری، ڈکیتی اور لوٹ مار نے رحم و ترحم اور ایثار و انفاق کی صورت اختیار کر لی، ان تمام انقلاب ہائے مزاج و طبیعت کے پیچھے رسولِ اکرم نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل خطابت اور آپ کا معجزاتی تکلم نظر آتا ہے۔

خطباتِ نبوی ﷺ کی اقسام

یہ درست ہے کہ خطابت دورِ جاہلیت ہی سے عرب تہذیب و ثقافت کا حصہ تھی، اور اس کو عربوں کے ہاں خاص وقار و اہمیت حاصل تھی، ان کی سیاسی، مذہبی، ادبی اور ثقافتی زندگی کا تذکرہ خطابت کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا، لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خطابت کا آغاز کیا وہ اسلوب، انداز، مقاصد اور مضامین ہر اعتبار سے عربوں سے مختلف ہے، گو اپنے مزاج و آہنگ کے اعتبار سے وہ خطابت جاہلی ہی کا

تسلسل ہے، دراصل آنحضرت ﷺ نے خطابت جاہلی کو من وعن قبول کرنے کی بجائے اس کی خوبیوں اور اچھائیوں کو لے کر اس کے کمزور پہلوؤں کی اصلاح فرمادی اور اس میں جو کمی یا خامی تھی اسے دور کر دیا۔

موضوعات کے حوالے سے بھی یہی بات کہی جاسکتی ہے، عربوں کے ہاں خطابت میں جو موضوعات رائج تھے، ان کا تذکرہ دورِ جاہلیت کی خطابت کے ذیل میں کیا جا چکا ہے، ان موضوعات میں قبائل اور خاندانی منافرت غالب تھی، اور یہی منافرت ان کے مابین برسوں سے لڑی جانے والی لڑائیوں کی بھی بنیاد تھی، اس بنا پر ان کے موضوعات خطابت میں دو باتیں نہایت اہم ہیں۔

۱۔ ذاتی، خاندانی اور قبائل منافرت اور ۲۔ تحریض علی القتال۔

اس کے علاوہ اصلاحی اور فکری خطابت کے مظاہر بھی ان کے ہاں نظر آتے ہیں، جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کے روز اول ہی سے اس منافرت کے خاتمے کو اپنے مقاصد کا حصہ بنایا، اور ان تمام غیر انسانی اور غیر اخلاقی موضوعات کا خاتمہ کر دیا، جو اہل عرب کو صدیوں سے اپنے سحر میں گرفتار کئے ہوئے تھے، اور جن کے نتیجے میں درجنوں نہیں سیکڑوں لڑائیاں ان کے مابین مختلف ناموں اور عنوانوں سے برپا ہو چکی تھیں۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے، اس لئے آپ ﷺ کے خطبات میں دعوتِ اسلام اور وعظ وارشاد کے ساتھ ساتھ اعمالِ صالحہ کی ترغیب، اصلاح ذات البین، حلال وحرام کی تشریح اور اوامر ونواہی کا بیان ہی ملتا ہے، بعض خطبات خاص مواقع سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں جمعہ وعیدین کے خطبات کے علاوہ چند غزوات کے خطبات بھی ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی ہے اور مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں نکلنے کی تلقین کی ہے، اور انہیں آدابِ جہاد کی تعلیم دی ہے اور بتایا ہے کہ فریضۂ جہاد ادا کرتے ہوئے کن کن امور کا خیال رکھنا اور کن کن احتیاطوں کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوعاتِ خطبات کے بارے میں مختلف عنوانات کے تحت ذیل میں تفاصیل پیش کی جاتی ہیں۔

خطبات دعوت اسلام : اسلام کی دعوت پھیلانا اور اس کے پیغام کو عام کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی کام تھا، اس لئے آپ ﷺ کی خطابت کا آغاز بھی دعوت اسلام ہی سے ہوتا ہے، آغازِ اسلام میں تو دعوت وتبلیغ کا کام خفیہ طور پر ہو رہا تھا، مگر آغازِ دعوت کے تیسرے سال اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اپنے قریبی رشتے داروں کو پیغامِ ہدایت پہنچائیں، اس سلسلے میں قرآن

حکیم میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○(۱۸۲)

اور آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رشتے داروں سے اس دعوت کا آغاز کیا، آپ ﷺ نے قریبی رشتے داروں کی دعوت کی، ان کے لئے کھانے کا اہتمام کیا، اس دعوت میں چالیس یا پینتالیس افراد مدعو تھے۔ (۱۸۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے بعد انہیں دعوت اسلام دی، آپ ﷺ نے فرمایا:

يا بنى عبد المطلب انى والله ما أعلم شابا فى العرب جاء قومه بافضل مما جئتكم به، انى قد جئتكم بخير الدنيا والآخرة وقد أمرنى الله أن ادعوكم اليه فايكم يؤازرنى على هذا الأمر على أن يكون أخى و كذا وكذا، قال فأحجم القوم عنها جميعا وقلت وانى لاحدثهم سنا وأرمصهم عينا وأعظمهم بطنا وأحمشهم ساقا أنا يا نبى الله أكون وزيرك فأخذ برقبتى، ثم قال ان هذا اخى و كذا وكذا فاسمعوا له وأطيعوا، قال فقام القوم يضحكون ويقولون لابى طالب قد أمرك أن تسمع لابنك وتطيع۔ (۱۸۴)

اے بنوعبدالمطلب، بخدا مجھے کسی ایسے عرب نوجوان کا علم نہیں جو اپنی قوم کے لئے میری لائی ہوئی دعوت سے افضل چیز لایا ہو، میں تمہارے لئے دنیا اور آخرت کی خیر لے کر آیا ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی دعوت دوں، تم میں سے کون اس معاملے میں میرا ساتھ دے گا وہ میرا بھائی ہوگا اور اس طرح اس طرح، حضرت علی بیان کرتے ہیں سب لوگ اس سے باز رہے، میں نے کہا میں ان سب میں کم عمر ہوں، میری آنکھیں دکھتی ہیں، میرا پیٹ بڑا اور پنڈلیاں کمزور ہیں، میں اے اللہ کے نبی! آپ کا وزیر ہوں گا، آپ نے میری گردن پکڑ کر فرمایا یہ میرا بھائی ہے اور اس طرح اس طرح ہے، تم اس کی بات دھیان سے

سنو اور اطاعت کرو، لوگ ہنستے ہوئے کھڑے ہو گئے اور ابو طالب سے کہنے لگے،
تجھے یہ حکم دیا ہے کہ تو اپنے بیٹے کی بات سن اور اس کی اطاعت کر۔

یہ آپ ﷺ کا پہلا خطبہ تھا، جو دعوت اسلام کے موضوع پر تھا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی دعوت اسلام صفا پہاڑی سے خطاب کرتے ہوئے دی، آپ نے صفا پر کھڑے ہو کر قریش کے ایک ایک قبیلے کو پکارا، جب سب آ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

أرأيتكم لو أخبرتكم أن خيلا بالوادي تريد أن تغير عليكم أكنتم مصدقي؟ قالوا نعم ما جربنا عليك الا صدقا، قال فاني نذير لكم بين يدي عذاب شديد۔ (۱۸۵)

لوگو! اگر میں تم کو خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں ایک فوج ہے، جو کسی لمحے بھی تم پر حملہ آور ہو سکتی ہے، تو کیا تم لوگ میری تصدیق کرو گے، لوگوں نے کہا ہاں، کیوں کہ آپ سے سچ کے سوا ہمیں کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا۔ یہ جواب سن کر آپ ﷺ نے فرمایا، میں تمہیں اس شدید ترین عذاب سے ڈرا رہا ہوں جو عنقریب تمہارے سامنے آنے والا ہے۔

اس خطبے کے چند روز بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلۂ دعوت کا تیسرا خطبہ ارشاد فرمایا: اس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

ان الرائد لا يكذب اهله والله لو كذبت الناس جميعا ما كذبتكم ولو غررت الناس جميعا ما غررتكم والله الذي لا اله الا هو اني لرسول الله اليكم خاصة والى الناس كافة، والله لتموتن كما تنامون ولتبعثن كما تستيقظون ولتحاسبن بما تعملون ولتجزون بالاحسان احسانا و بالسوء سوءا، وانها لجنة أبدا أو لنار أبدا، والله يا بني عبد المطلب ما اعلم شابا جاء قومه بافضل مما جئتكم به اني قد جئتكم بأمر الدنيا والآخرة۔ (۱۸۶)

لوگو! یاد رکھو کہ قافلہ سالار اپنے ساتھیوں سے کبھی جھوٹ نہ بولے گا۔ خدا کی قسم اگر میں دوسروں

سے بفرض محال جھوٹ بولنے پر آمادہ بھی ہو جاتا تو تم سے پھر بھی جھوٹ نہ بولتا اور اگر میں دوسروں کو دھوکا بھی دیتا تو تم کو پھر بھی دھوکا نہ دیتا، خدا کی قسم کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ میں تمہاری طرف خاص طور پر رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اور میری رسالت تمام عالم انسانیت کو محیط ہے۔ بخدا تم کو ایک دن مرنا ہے جس طرح تم روز سوتے ہو اور پھر زندہ ہونا ہے جیسا کہ ہر روز خواب سے بیدار ہوتے ہو۔ اور یاد رکھو کہ تمہارے اعمال کا ضرور محاسبہ کیا جائے گا پھر اس وقت نیکی کا بدلہ نیکی کے ساتھ اور برائی کا بدلا برائی کے ساتھ دیا جائے گا۔ اس وقت یا تو جنت ابدی کے مالک ہو گے یا ہمیشہ کے لئے جہنم میں جلتے رہو گے۔ خدا کی قسم اے بنی عبد المطلب کوئی شخص اپنی قوم کے پاس اس سے بہتر دعوت لے کر کبھی نہیں آیا جو دعوت میں نے تمہیں دنیا اور آخرت کے حوالے سے پیش کی ہے۔

دعوت اسلام کے موضوع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبے ارشاد فرمائے ان میں آپ ﷺ نے سامعین کی توجہ اخروی اور ابدی زندگی کی جانب مبذول کرائی ہے، اور انہیں آخرت کی تیاری کی ترغیب دینے کے ساتھ ساتھ اس راستے کی ناکامی سے خبردار کیا ہے، انہیں بتایا ہے کہ کامیابی کی صرف ایک صورت ہے لا الہ الا اللہ کہہ دو اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا دل و زبان دونوں سے اقرار کرلو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعوت سوق ذی المجاز میں سمٹ کر ان الفاظ میں آگئی، آپ نے فرمایا:

ایها الناس! قولوا لا اله الا الله تفلحوا۔ (۱۸۷)

اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہہ دو، کامیاب ہو جاؤ گے۔

خطبات ارشاد: دعوت اسلام کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کا ایک بہت بڑا حصہ ارشاد و تلقین اور ہدایت و اصلاح کے موضوع پر ہے، یہ عام خطبے ہیں، جن کی اکثریت غالباً جمعہ کے خطبوں پر مشتمل ہے، ان خطبات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہذیب و تزکیۂ نفس، مکارم اخلاق اور محاسن اعمال پر زور دیا ہے، اور اعمال صالحہ اور خیر و فلاح کے امور کی تلقین کی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اپنے پہلے خطبۂ جمعہ میں خطاب کرتے ہوئے جن باتوں کی تلقین کی تھی، وہ زیادہ تر اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

اما بعد، أيها الناس، فقدموا لانفسكم تعلمن والله ليصعقن أحدكم، ثم ليدعن غنمه ليس لها راع، ثم ليقولن له ربه، وليس له ترجمان ولا حاجب يحجبه دونه، الم ياتك رسولي

فبلغک، و أتیتک مالا و افضلت علیک؟ فما قدمت لنفسک، فلینظرن یمینا و شمالا فلا یری شیئا، ثم لینظرن قدامه فلا یری غیر جهنم، فمن استطاع أن یقی وجهه من النار ولو بشق من تمرة فلیفعل، ومن لم یجد فبکلمة طیبة، فان بها تجزی الحسنة عشرة أمثالها، الی سبعمائة ضعف ۔ والسلام علیکم ورحمة الله و برکاته (۱۸۸)

لوگو! (مرنے سے پہلے) سامان سفر فراہم کرو۔ خدا کی قسم، ایک دن تم پر موت کی بے ہوشی ضرور طاری ہوگی اور پھر تم اپنی بھیڑوں کو بغیر کسی نگہبان کے چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔ پھر خدا سوال کرے گا وہ خدا جس کو نہ کسی ترجمان کی حاجت ہے اور نہ کسی دربان کی ضرورت ہے کہ آیا تمہارے پاس میرا رسول (ﷺ) تبلیغ احکام کرتا ہوا آیا تھا اور کیا میں نے تم کو دولت سے نہیں نوازا؟ پس بتاؤ کہ تم نے کیا کام کئے ہیں؟ اس وقت انسان حیران اور پریشان دائیں بائیں دیکھے گا تو اس کو کچھ نظر نہ آئے گا، پھر وہ سامنے کی طرف نظر دوڑائے گا تو اس کو جہنم کے سوا کچھ دکھائی نہ دے گا۔ تو جو شخص آگ سے بچنا چاہتا ہو اور وہ ایک کھجور کا ٹکڑا بھی دینے کی قدرت رکھتا ہے تو وہ کھجور کا ٹکڑا راہ خدا میں دے دے، اور جو اتنی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ اچھی گفتگو کے ذریعے بھی اپنے آپ کو عذاب سے بچا سکتا ہے۔ کیوں کہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک دیا جائے گا۔

خطبات احکام : موضوع کے اعتبار سے رسول اکرم ﷺ کے خطبات کی ایک بڑی تعداد احکام پر مشتمل ہے، یعنی ایسے خطبے جن میں آپ ﷺ نے کسی نہ کسی حکم شرعی کی وضاحت و تشریح کی ہے، یا اس کے بارے میں صحابۂ کرام کو تعلیم دی ہے، ایسے خطبے نماز روزے سمیت تمام ارکان اسلام کے ساتھ ساتھ دیگر بہت سے احکام شرعی پر مشتمل ہیں، مثلاً شراب کی حرمت۔ (۱۸۹) صلاۃ عید سے قبل قربانی کا حکم۔ (۱۹۰) بدو صلاح سے قبل بیع (۱۹۱) جنس کی جنس کے بدلے فروخت (۱۹۲) وغیرہ، ان خطبات کی ایک خاص بات یہ ہے کہ ان کی روایات جو ہم تک پہنچی ہیں وہ بہت مختصر ہیں، مثال کے طور پر عید الاضحیٰ کے موقع پر نماز عید کی ادائیگی سے قبل قربانی کرنے کے بارے میں مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

من صلی صلاتنا ونسک منسکنا فقد أصاب النسک، ومن نسک قبل الصلاة فتلک شاة لحم۔ (۱۹۳)

جس نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی اور ہمارے طریقے پر قربانی کی تو اس کی قربانی درست ہوگئی۔اور جس نے نماز سے قبل ہی قربانی کرلی تو وہ قربانی صرف گوشت کے لئے ہے۔(اس کی قربانی ادانہیں ہوگی)

اسی طرح جنس کے بدلے جنس کی فروخت کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

الذهب بالذهب و الفضة بالفضة وزناً بوزن۔ (۱۹۴)

سونا سونے کے بدلے،اور چاندی چاندی کے بدلے ہم وزن۔(کمی زیادتی کے ساتھ خرید وفروخت جائز نہیں ہوگی)

لیکن بعض خطبے کافی طویل بھی موجود ہیں،مثال کے طور پر ایک مرتبہ رمضان المبارک کی آمد کے حوالے سے شعبان کی آخری تاریخ میں آپ ﷺ نے ایک طویل خطبہ دیا، یہ خطبہ خوش قسمتی سے کتب حدیث میں پورا موجود ہے، یہ پورا خطبہ پڑھنے کے لائق اور اس کا زور بیان آج بھی پر اثر ہے،آپ ﷺ نے فرمایا:

یایها الناس! قد اظلکم شهر عظیم، شهر مبارک، شهر فیه لیلة خیر من الف شهر، شهر جعل الله صیامه فریضة وقیام لیله تطوعاً، من تقرب فیه بخصلة من الخیر کان کمن ادی فریضة فیما سواه، ومن ادی فیه فریضة کان کمن ادی سبعین فریضة فیما سواه، وهو شهر الصبر والصبر ثوابه الجنة، و شهر المواساة، وشهر یزداد فیه رزق المؤمن، من فطر فیه صائماً کان له مغفرة لذنوبه وعتق رقبته من النار وکان له مثل اجره من غیر ان ینتقص من اجره شیء، قالوا لیس کلنا نجد ما نفطرُ الصائم، فقال، یعطی الله هذا الثواب من فطر صائما علیٰ تمرة او علی شربة ماءٍ او مذقة لبنٍ، وهو شهر اوله رحمة واوسطهُ مغفرة وآخره عتق من النار، من خفف عن مملوکه

غفر الله له وأعتقه من النار، واستكثروا فيه من اربع خصال، خصلتين ترضون بهما ربكم، وخصلتين لا غنى بكم عنهما، فاما الخصلتان اللتان ترضون بهما ربكم فشهادة ان لا اله الا الله، وتستغفرونه، واما الخصلتان اللتان لاغنى بكم عنهما فتسئلون الله الجنة وتعوذون به من النار، ومن اشبع فيه صائماً سقاه الله من حوضي شربة لا يظمأ حتى يدخل الجنة(۱۹۵)

اے لوگو! تمہارے اوپر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ کرنے والا ہے۔اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں کھڑے ہونے کو (تراویح پڑھنے کو) نفل عبادت مقرر کیا ہے۔جو شخص اس مہینہ میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر عبادت (سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا، اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب رمضان کے علاوہ اور دنوں کے ستر فرضوں کے برابر ثوب ملے گا۔یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔یہ ہمدردی، غم خواری کا مہینہ ہے اور اس مہینے میں مومنوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔جس نے اس مہینے میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کیلئے) افطار کرایا تو اس کیلئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کئے بغیر، روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (راوی) فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی ثواب عطا فرمائے گا جو ایک کھجور، یا پانی کے یک گھونٹ پر یا لسی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرادے، یہ ایسا (مبارک) مہینہ ہے جس کا ابتدائی حصہ رحمت

ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ دوزخ سے نجات ہے، جو شخص اس مہینے میں اپنے غلام (وملازم و خادم) کے کام میں تخفیف کرے گا اللہ اس کی مغفرت فرمائے گا اور اسے دوزخ سے آزاد کر دے گا، اس مہینے میں تم چار خصلتوں کے لئے خوب کوشش کرو، دو خصلتیں تو وہ ہیں جن سے تمہارا رب راضی ہوگا اور دو خصلتیں وہ ہیں جن سے تم بے نیاز نہیں رہ سکتے، وہ دو خصلتیں جن سے تمہارا رب راضی ہوگا یہ ہیں، ۱۔اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ۲۔اور اس سے گناہوں کی معافی مانگنا، اور وہ دو خصلتیں جن سے تم بے نیاز نہیں رہ سکتے یہ ہیں ۳۔اللہ سے جنت کا سوال کرنا اور ۴۔دوزخ سے پناہ مانگنا۔ اور جس شخص نے کسی روزہ دار کو پلایا اللہ تعالیٰ اسے میرے حوض (حوضِ کوثر) سے ایسا مشروب پلائے گا جس کے پینے کے بعد اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی، یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

خطبات جہاد و مغازی : ارشاد و احکام کے ذیل میں آنے والے خطبات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کی ایک اہم تعداد مغازی و جہاد کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے۔ان خطبات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موضوع کی مناسبت سے صحابۂ کرام کو جہاد کی ترغیب دی ہے، شہادت کے فضائل بیان کئے ہیں اور جہاد کے آداب سکھائے ہیں، یہ خطبات دو طرح کے ہیں، ایک تو وہ جو خاص کسی غزوے کا موقع پر دیئے گئے، جیسے بدر، احد، حنین، تبوک اور فتح مکہ وغیرہ، لیکن ان میں سے بعض خطبے ایسے بھی ہیں جن میں عام باتوں کی تلقین ہے، خاص جہاد کا موضوع بیان نہیں ہوا، مثلاً خطبۂ تبوک مشہور ہے اس میں روزمرہ کی عام ہدایات ہیں، جن کی ضرورت ایک اچھے انسان کو ہر وقت پڑتی ہے، ایک حصہ ملاحظہ کیجئے:

رأس الحكم مخافة الله، وخير ما ألقى في القلوب اليقين، والأرتياب من الكفر، والنياحة من عمل الجاهلية، والغلول من جمر جهنم، والسكر كنٌ من النار، والشعر من ابليس، والخمر جماع الاثم، والنساء حبالة الشيطان، والشباب شعبة من الجنون، وشر المكاسب كسب الرباء، وشر المأكل مال اليتيم، والسعيد من وعظ بغيره، والشقي من شقي في بطن

أمه، وانما يصير أحدكم الى موضع أربعة أذرع، والأمر الى الآخرة، وملاك العمل خواتمه۔ (۱۹۶)

اور دانائیوں کا سرچشمہ اللہ عزوجل کا ڈر ہے، اور دلوں کی سب سے پسندیدہ چیز یقین ہے، شک پیدا کرنا کفر کا ایک حصہ ہے، اور میت پر نوحہ کرنا (چیخنا چلانا) جاہلیت کا عمل ہے، خیانت دوزخ کی آگ ہے، اور شراب کا پینا دوزخ کی آگ سے داغے جانے کے مترادف ہے، اور (برا) شعر ابلیس کی طرف سے ہے، شراب تمام گناہوں کا منبع ہے، اور سب سے بری خوراک یتیم کا مال ہے، سعادت مند وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت پکڑے، اور بدبخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ ہی میں بدبخت ہو، تم میں سے ہر ایک کو چار ہاتھ کے گڑھے میں جانا ہے، اور معاملہ آخرت پر منحصر ہے، اور عمل کا مدار اس کے انجام پر ہے۔

اسی طرح خطبۂ احد میں اگرچہ جہاد کے حوالے کے بعد آپ ﷺ نے ہدایات دی ہیں مگر اس میں عام نوعیت کی تعلیمات بھی ہیں، مثلاً اس کے آغاز ہی میں آپ ﷺ نے فرمایا:

يا أيها الناس، أوصيكم بما اوصانى الله فى كتابه من العمل بطاعته والتناهى عن محارمه، ثم انكم اليوم بمنزل أجر وذخر لمن ذكر الذى عليه ثم وطن نفسه له على الصبر واليقين والجد والنشاط، فانَّ جهاد العدو شديد، شديدٌ كربه، قليل من يصبر عليه الا من عزم الله رُشد۔ (۱۹۷)

لوگو! میں تمہیں وہی وصیت کرتا ہوں جو اللہ نے اپنی کتاب میں اطاعت و فرماں برداری اور حرام چیزوں سے بچنے کے لئے کی ہے، آج تم اجر اور ثواب کے مقام پر کھڑے ہو، جس شخص نے اپنے آپ کو ذکر (قرآن حکیم) پر قائم کرلیا اور پھر اس نے اپنے نفس کو صبر، یقین، جہد مسلسل اور شرح صدر پر آمادہ کرلیا تو وہ کامیاب ہے، دشمن سے جہاد کرنا بہت مشکل کام ہے، اور وہ لوگ بہت کم ہیں جو اس صبر آزما مرحلے میں ثابت قدم رہتے ہیں، ان لوگوں کے لئے یہ کام مشکل نہیں جو حصول ہدایت کا پختہ عزم رکھتے ہوں۔

اور دوسری قسم سے تعلق رکھنے والے خطبات وہ ہیں، جن میں جہاد کے کسی پہلو کے حوالے سے آپ ﷺ نے بیان فرمایا ہے، اور ہدایات دی ہیں، مگر ان کے بارے میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ یہ کس موقع کے ہیں؟ یا کس غزوے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک روز آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کو خطاب کرتے ہوئے دشمن سے مقابلے کی تمنا کرنے کی ممانعت فرمائی، آپ نے فرمایا:

لا تمنوا لقاء العدو واسئلوا اللہ العافیۃ فاذا لقیتموھم فاصبروا، واعلموا ان الجنۃ تحت ظلال السیوف۔ (۱۹۸)

دشمن سے مقابلے کی تمنا مت کرو، اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو، اور اگر دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو صبر سے کام لو، اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے

اسی طرح ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں قوۃ کی تشریح فرمائی، عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز آپ ﷺ نے منبر پر تشریف فرما ہو کر قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (۱۹۹)

پھر تین بار فرمایا:

الا ان القوۃ الرمی۔ (۲۰۰)

آگاہ ہو جاؤ، قوۃ پھینکنے کا نام ہے۔

اور ایک خطبے میں آپ ﷺ نے جہاد کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ان الجھاد فی سبیل اللہ والایمان باللہ افضل الاعمال، فقام رجل فقال یا رسول اللہ ارأیت ان قتلت فی سبیل اللہ تکفر عنی خطایای؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. نعم ان قتلت فی سبیل اللہ وأنت صابرٌ محتسبٌ مقبل غیر مدبر، ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف قلت؟ قال ارأیت ان قتلت فی سبیل اللہ اتکفر عن خطایای؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم، وأنت صابرٌ محتسب مقبل غیر مدبر الا الدین، فان جبرائیل علیہ السلام قال لی ذلک (۲۰۱)

جہاد فی سبیل اللہ اور ایمان باللہ ایمان کی افضل ترین صورتیں ہیں، یہ سن کر ایک

صحابی کھڑے ہوئے اور دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر میں راہِ خدا میں قتل کردیا جاؤں تو کیا یہ میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا، ہاں، بشرطیکہ تو راہِ خدا میں اس حال میں قتل کیا جائے کہ تو صبر کرنے والا، ثواب آخرت کی جستجو کرنے والا اور آگے بڑھنے والا ہو نہ کہ پیچھے ہٹنے والا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کیا کہا تھا؟ ان صحابی نے کہا، اگر میں راہِ خدا میں قتل کردیا جاؤں تو کیا یہ میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، بشرطیکہ تو راہِ خدا میں اس حال میں قتل کیا جائے کہ تو صبر کرنے والا ثواب کی جستجو کرنے والا اور آگے بڑھنے والا ہو نہ کہ پیچھے ہٹنے والا، سوائے قرض کے کیوں کہ جبرئیلؑ نے یہ بات مجھے بتائی ہے۔

خاص مواقع کے خطبے : خاص مواقع سے ہماری مراد وہ خطبے ہیں جو عیدین، جمعہ اور استقاء وغیرہ کے موقع پر دیئے گئے بفطری طور پر ان کے موضوعات مختلف ہیں، اور مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو موضوعات کے اعتبار سے یہ احکام ہی کا حصہ ہیں۔ کیوں کہ ان میں عام طور پر احکامات الٰہی اور شرعی ہدایات و اوامر و نواہی کا ہی بیان ہے، مثال کے طور پر خطبۂ جمعہ دیکھئے، یہ روایت کے مطابق مدینہ منورہ کا دوسرا خطبۂ جمعہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الحمد لله، احمده واستعينه، نعوذ بالله من شرور انفسنا، وسيئات اعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلل فلا هادى له واشهد أن لا اله الا الله وحده لاشريک له، ان احسن الحديث كتاب الله تبارک و تعالى، قد افلح من زينه الله فى قلبه، و أدخله فى الاسلام بعد الكفر واختاره على ماسواه من أحاديث الناس، انه أحسن الحديث وأبلغه، احبوا، ما احب الله، احبوا الله من كل قلوبكم، ولا تملوا كلام الله و ذكره، ولا تقس عنه قلوبكم، فانه من كل مايخلق الله يختار ويصطفى، قد سماه الله خيرته من الاعمال، ومصطفاه من العباد، الصالح الحديث، ومن كل ما أُوتى الناس من الحلال

و الحرام، فاعبدوا الله ولا تشرکوا به شیئا، واتقوه حق تقاته، وأصدقوا الله صالح ماتقولون بافواهکم، وتحابوا بروح الله بینکم، ان الله یغضب أن ینکث عهده، والسلام علیکم(۲۰۲)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، میں اسی کی حمد کرتا ہوں، اسی سے مدد کا طالب ہوں، اور ہم سب اللہ سے اپنے نفس کی سرکشی اور اپنے اعمال کی کجروی سے پناہ مانگتے ہیں، جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، اور جس سے وہ ہدایت سلب کرلے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، بلاشبہ بہترین کلام کتاب اللہ ہے، یقیناً وہ شخص کامیاب ہوا جس کے دل کو اللہ نے قرآن سے مزین کردیا، اور کفر کے بعد اسے اسلام میں داخل کیا اور اس نے انسانی باتوں کو چھوڑ کر قرآن کو اپنے لئے پسند کرلیا، کیوں کہ اللہ کا کلام سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ اثر کرنے والا ہے، جس کو اللہ پسند کرے اس کو تم بھی پسند کرو اور اپنے دل کی گہرائیوں میں اس کی محبت کو جاگزیں کرلو، اور اس کا کلام پڑھنے اور نام لینے سے اپنے دل میں کبیدگی نہ آنے دو، اور نہ اپنے دلوں کو اس کے لئے سخت ہونے دو، تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، اللہ سے ڈرتے رہو، جیسے کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور اپنے نیک اعمال کی تصدیق اپنی زبان سے کیا کرو، اور رحمت الٰہی کے زیر سایہ تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نہایت خلوص ومحبت سے رہو۔ والسلام علیکم۔

اسی طرح عیدین کے خطبات میں قربانی کے مسئلے والا خطبہ مشہور ہے، جو خطبات احکام میں بیان ہو چکا ہے، استسقاء کے خطبوں میں ایک ہی مضمون ملتا ہے، یعنی بارش کے لئے دعا، استسقاء کے حوالے سے کئی خطبے ملتے ہیں، دو مثالیں دیکھئے۔

اللهم اسقنا غیثا مغیثا مریئا طبقا مریعا غدقا عاجلا غیر رائث(۲۰۳)

اے اللہ! ہمیں رحمت کی بارش عطا فرما، جو مددگار، خوش گوار، نفع بخش، بکثرت،

جلد بلاتا خیر ہو۔

اللھم اسق بلادک وبھائمک، وانشر رحمتک، واحی بلدک المیت، اللھم اسقنا غیثا مریحا مریعا، طبقا واسعا، عاجلا غیر اجل، نافعا غیر ضار، اللھم اسقنا رحمۃ، ولا تسقنا عذابا، ولا ھدما ولا غرقا ولا محقا، اللھم اسقنا الغیث وانصرنا علی اعدائنا۔ (۲۰۴)

اے اللہ! ہمارے شہروں اور جانوروں کو سیراب فرما، اپنی رحمت پھیلا اور اپنے مردہ شہروں کو زندگی عطا فرما، اے اللہ! ہمیں رحمت کی بارش عطا فرما، جو راحت بخش، نفع دینے والی، بکثرت، جلد بلاتا خیر، سودمند، اور ہر طرح کے ضرر سے مبرا ہو، اے اللہ ہمیں رحمت سے سیراب فرما، اور ہمیں عذاب، انہدام، غرقابی اور بربادی سے دوچار نہ فرما، اے اللہ! ہمیں رحمت کی بارش عطا فرما اور ہمیں اپنے دشمنوں پر فتح مندی سے شادکام فرمایا۔

اصلاحی خطبے : اصلاح ذات البین یعنی اصلاحی خطبات کی بھی چند مثالیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت میں ملتی ہیں، دورِ جاہلیت میں، جیسا کہ ماقبل میں خطابت جاہلی کے بیان میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا چکا ہے، قبائلی عداوتیں اور گروہی منافرت خصوصیت سے عروج پر تھی، اس لئے اس منافرت کے خلاف جو صدا بھی بلند ہوتی تھی، اس کو خاص اہمیت دی جاتی تھی، اصلاح ذات البین کے ذیل میں آنے والے شاہکار خطبات اسی دور کی یادگار ہیں، پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت مبارکہ اور اسلام کی آمد کے بعد اس منافرت کا تو اگرچہ خاتمہ ہوگیا، لیکن بعض اوقات مسلمانوں میں بھی اختلافی واقعے رونما ہوئے، ان کے اثرات کو دور کرنے اور صلح و خیر کے فروغ کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبے دیئے وہ اسی عنوان کے ذیل میں آتے ہیں، غزوۂ حنین کے موقع پر جب بعض نومسلم صحابۂ کرام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلب کے لئے مال غنیمت میں سے حصہ عطا کیا تو بعض نوجوان انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ امر ناپسند کیا، اس کی اطلاع جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا، یہ خطبہ اس کی بہترین مثال ہے، اس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

یامعشر الأنصار، ألا ترضون ان یذھب الناس بالدنیا وأنتم

تذهبون برسول الله ﷺ؟ قال: يا معشر الأنصار، ألا ترضون ان الناس لو سلكوا واديا وسلكتم واديا لسلكت وادى الأنصار، قالوا: بلى يا رسول الله، قال: لولا الهجرة لكنت أمرأ من الأنصار، الأنصارُ كرشي وأهل بيتي، عيبتي التي آوى اليها، اعفوا عن مسيتهم واقبلوا من محسنهم۔(۲۰۵)

اسی طرح ایک مرتبہ انصار کے دو گروہوں کے مابین کسی بات پر اختلاف ہوگیا، یہ بات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے خطاب فرمایا، آپ نے فرمایا:

يا معشر المسلمين! الله الله، ابدعوى الجاهلية وانا بين اظهركم بعد ان هداكم الله للاسلام، وأكرمكم به، وقطع به عنكم أمر الجاهلية واستنقذكم به من الكفر والف به بين قلوبكم۔ (۲۰۶)

اے گروہ مسلمانان! اللہ سے ڈرو، کیا میرے موجود ہوتے ہوئے بھی تم جاہلیت کی سی باتیں کرنے لگ گئے ہو؟ جب کہ اللہ نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی اور تمہیں عزت عطا کی اور تم سے جاہلیت کے امور دور کر دیئے اور تمہیں کفر سے نجات عطا کی اور تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی۔

کسی خاص واقعے کے بارے میں : بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ کوئی واقعہ پیش آیا، جس کے بارے میں اپنا ردِعمل ظاہر کرنے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو صورت حال سے آگاہ کرنے یا ان سے مشورے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا، اس سلسلے کی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، ماقبل میں سابقہ عنوان کے تحت بیان ہونے والا خطبۂ ہوازن بھی اس کی ایک مثال ہے، اسی طرح جب منافقین نے اپنی فطرت سے مجبور ہو کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی اور واقعۂ افک پیش آیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کے سامنے خطاب فرمایا: آپ ﷺ نے فرمایا:

من يعذرني من رجل بلغني أداه في أذاه في أهلي فو الله ماعلمت على أهلي الخير اوقد ذكروا رجلا ماعلمت عليه الا خيرا وما كان يدخل على أهلي الا معي۔(۲۰۷)

اس شخص کے مقابلے میں کون میری مدد کرے گا جس کی میری رفیقۂ حیات کے بارے میں اذیت ناک باتیں مجھ تک پہنچی ہیں، بخدا میں اپنے اہل کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتا، اور لوگوں نے ایسے شخص کا نام لیا ہے جس کے بارے میں میں اچھائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتا وہ میرے گھر میں جب بھی گیا میرے ساتھ ہی گیا۔

جب ربیع الاوّل ۱۰ھ ہجری میں آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو اتفاق سے سورج گرہن کا واقعہ بھی پیش آیا، جس سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہونے لگے، اور سورج گرہن کا تعلق حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات سے جوڑنے لگے، اس پر آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا: آپ نے فرمایا:

ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ، لا ینخسفان لموتِ احد ولا لحیاتہ فاذا رایتم ذلک فادعوا اللہ وکبروا وصلوا وتصدقوا۔ (۲۰۸)

سورج اور چاند اللہ کی بہت سی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، یہ دونوں نہ تو کسی کی موت کی وجہ سے گرہن ہوتے ہیں، نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے۔ سو جب تم یہ (سورج یا چاند گرہن) دیکھو تو اللہ کو پکارو، اس کی بڑائی بیان کرو، نماز پڑھو اور صدقہ خیرات کرو۔

خطبات وفود: فتح مکے کے بعد جب اسلام کے پیغام سے پورا عرب گونجنے لگا، اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے تو اطراف واکناف عرب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفود کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ وفود کی آمد کا یہ سلسلہ ۸ھ ہجری میں عروج پر تھا، اسی بنا پر اسے عام الوفود (وفود کی آمد کا سال) بھی کہا جاتا ہے۔

عربوں کے ہاں وفود کی آمد اور گفت وشنید کا ایک خاص اسلوب تھا، جس کے تحت مہمان وفد کا میزبان کے ساتھ تقریر وشعر دونوں میدانوں میں مقابلہ ہوتا تھا، اور خطابت کا جواب خطابت سے اور شعر کا جواب شعر سے دیا جاتا تھا، یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی جاری رہی، چنانچہ آپ ﷺ کے پاس جو وفود آئے ان میں سے کئی ایک کے خطیبوں کے جواب میں خود آپ سے خطاب منقول ہے، اسی طرح بعض مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب کے لئے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو

خطاب کرنے کا حکم دیا، اسی بنا پر ان کا لقب خطیب الرسول ﷺ مشہور ہوگیا۔ (۲۰۹)

چنانچہ جب بنی تمیم کا وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے خطیب عطارد بن حاجب نے آپ ﷺ کی اجازت سے آپ کے سامنے اپنے وفد کی نمائندگی کرتے ہوئے خطاب کیا، اس نے کہا:

الحمد لله الذى له علينا الفضل وهو اهله، الذى جعلنا ملوكا ووهب لنا أموالا عظاما، نفعل فيها المعروف، وجعلنا أعزاهل المشرق وأكثره عدداً وايسره عدة، فمن مثلنا فى الناس؟ ألسنا برؤس الناس واولى فضلهم؟ فمن فاخرنا فليعدد مثل ما عددنا، وانا لوشئنا لاكثرنا الكلام ولكنا نستحى من الاكثار فيما اعطانا، اقول هذا لان تاتوا بمثل قولنا و أمر أفضل من أمرنا (۲۱۰)

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو فضل وشرف کا حق دار ہے، اس نے ہم کو بادشاہ بنایا ہے، ہمیں بڑے، مال و دولت سے نوازہے جسے ہم اچھے کاموں میں لاتے ہیں، اس نے ہمیں اہل مشرق میں سب سے زیادہ عزت والا بنایا ہے، ہماری تعداد سب سے زائد اور ہمیں (بوقت ضرورت) سب سے آسان تیاری کرنے والا بنایا، لوگوں میں ہم جیسا کون ہے؟ کیا ہم لوگوں کے سردار اور ان کے افضل لوگ نہیں ہیں؟ ہمارے ساتھ مفاخرت میں مقابلہ کرنے والا ہماری طرح اپنے فضائل بیان کرے، اگر ہم چاہیں تو اس سے زائد بھی بیان کریں لیکن ہم عطایا کی کثرت کے ذکر سے حیا کرتے ہیں، میں تو یہی کہتا ہوں تم ہمارے بیان جیسا بیان اور ہمارے معاملے سے افضل معاملہ لاؤ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دینے کے لئے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، انہوں نے فرمایا:

الحمد لله الذى السماوات والأرض خلقه، قضى فيهن أمره ووسع كرسيه علمه، لم يك شئ قط الا من فضله، ثم كان

من قدرته أن جعلنا ملوكا، واصطفى من خير خلقه رسولا اكرمه نسبا، وأصدقه حديثا، وأفضله حسبا، فانزل عليه كتابه وائتمنه على خلقه، فكان خيرة الله من العالمين، ثم دعا الناس الى الايمان به، فآمن برسول الله المهاجرون من قومه و ذوى رحمه، اكرم الناس احساباً وأحسن الناس وجوها و خير الناس فعالاً، ثم كان أول الخلق اجابة، واستجاب الله حين دعاه رسول الله نحن، فنحن أنصار الله ووزراء رسوله، نقاتل الناس حتى يؤمنوا بالله ورسوله، فمن آمن بالله و رسوله منع منا ماله ودمه، ومن كفر جاهدناه فى الله أبداً، وكان قتله علينا يسيرا، اقول قولى هذا وأستغفر الله لى وللمؤمنين والمؤمنات والسلام عليكم۔(۲۱۱)

سب تعریف اللہ کے لئے ہے آسمان و زمین جس کی تخلیق ہیں، اس نے ان میں اپنا حکم لاگو فرمایا، اس کا اقتدار اس کے علم کی وسعت کا آئینہ دار ہے، ہر چیز اپنے وجود میں اس کے فضل کی محتاج ہے، اس نے اپنی قدرت سے ہمیں بادشاہ بنادیا، اپنی بہترین مخلوق میں سے رسول کا انتخاب فرمایا، جو نسب کے اعتبار سے سب سے بڑا کریم، گفتگو کے اعتبار سے سب سے زیادہ سچا اور حسب کے اعتبار سے سب سے افضل ہے، اللہ نے اس پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اسے اپنی مخلوق پر امین بنایا، آپ عالمین میں اللہ کے منتخب فرد ہیں، پھر لوگوں کو آپ پر ایمان کی دعوت دی، آپ کی قوم میں سے مہاجرین اور آپ کے بعض رشتہ دار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، یہ لوگوں میں سب سے کریم ترین نسب والے، شکل و صورت کے اعتبار سے حسین ترین اور کارکردگی کے حوالے سے سب بہترین ہیں، پھر سب مخلوق سے پہلے اس پیغام کو قبول کرنے والے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے والے ہم ہیں، ہم اللہ کے انصار اور اس کے رسول کے وزرا ہیں، ہم لوگوں سے جنگ کریں گے تا آنکہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان

لے آئیں، جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اس سے اپنا مال اور خون (جان) ہم سے محفوظ کرلیا اور جس نے کفر کیا ہم اس سے ہمیشہ راہ خدا میں جہاد کرتے رہیں گے، اسے موت کے گھاٹ اتار دینا ہمارے لئے آسان ہے، میں اپنی یہ بات کہتا ہوں اور اللہ سے اپنے لئے اور صاحب ایمان مردوں اور صاحب ایمان عورتوں کے لئے مغفرت کا طلب گار ہوں، والسلام علیکم۔

جب وفد لقیط بن عامر حاضر خدمت ہوا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يا أيها الناس! الا انى قد خبأت لكم صوتى منذ أربعة ايام لتسمعوا الآن، ألا فهل من امرئ قد بعثه قومه؟ فقالوا، اعلم لنا ما يقول رسول الله ﷺ الا ثم رجل لعله ان يلهيه حديث نفسه أو حديث أو يلهيه ضالا، الا واني مسؤول هل بلغت؟ الا اسمعوا تعيشوا، الا اجلسوا (۲۱۲)

اسی طرح جب وائل بن حجر وفد لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے لوگوں سے خطاب فرمایا: آپ ﷺ نے فرمایا:

يا أيها الناس! هذا وائل بن حجر قد أتاكم من أرض بعيدة، من حضر موت، طائعاً غير مكره، راغبا فى الله وفى رسوله وفى دين بيته، بقية أبناء الملوك، (۲۱۳)

اے لوگو! یہ وائل بن حجر ہے جو دور کی سرزمین حضر موت سے تمہارے پاس آیا ہے، برضا و رغبت مجبوراً نہیں، اللہ اس کے رسول اور اس کے گھر کے دین میں رغبت کرتے ہوئے، یہ بادشاہوں کے باقی ماندہ بیٹیوں میں سے ہے

خطبات رقاق: دنیا سے بے رغبتی، آخرت کی تمنا اور جنت کی خواہش لوگوں میں پیدا کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کا ایک اہم موضوع ہے، اس موضوع پر دستیاب ذخیرۂ خطبات میں بہت سے خطبے موجود ہیں، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد غروب آفتاب تک خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبے کے ابتدائی الفاظ یہ تھے:

أما بعد! فان الدنيا خضرة حلوة وان الله مستخلفكم فيها

فناظر کیف تعملون، الا فاتقوا الدنیا واتقوا النساء۔ (۲۱۴)

امابعد! دنیا بہت سرسبز وشاداب اور شیریں ہے، اور اللہ نے تمہیں دنیا میں بھیجا ہے تا کہ وہ دیکھے تم وہاں کیا کرتے ہو، سوتم دنیا سے ڈرو اور عورتوں سے بچو۔

الرقوب کل الرقوب، الرقوب کل الرقوب، الرقوب کل الرقوب. الذی له ولد فمات ولم یقدم منهم شیئاً، قال اتدرون ما الصعلوک؟ قالوا الذی لیس له مال، قال النبی صلی الله علیه وسلم الصعلوک کل الصعلوک، الصعلوک کل الصعلوک، الصعلوک کل الصعلوک، الذی له مال فمات ولم یقدم منه شیئا۔ (۲۱۵)

رقوب مکمل رقوب، رقوب مکمل رقوب، رقوب مکمل رقوب، وہ ہے جس کا بیٹا مرگیا، اور اس نے ان کے لئے کچھ نہیں بھیجا، پھر فرمایا کہ جانتے ہو نادار کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، جس کے پاس مال نہ ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، نادار ہر طرح سے نادار، نادار پورا نادار، نادار مکمل نادار وہ ہے جو مال تو رکھتا تھا مگر وہ مرگیا اور اپنے مال میں سے کچھ آگے نہ بھیجا۔

خطبات نکاح : عربوں کے ہاں خطابت کا ایک اہم میدان خطبات نکاح کے حوالے سے تھا، نکاح کے موقع پر عام طور پر پہلے مرد کی جانب سے ایک شخص خطبہ دیتا، جس میں وہ اس کے ذاتی اوصاف، خاندانی فضائل اور قبائلی امتیازات کو بیان کرتا اور اس نکاح کی اہمیت ظاہر کرتا تھا، جس کے جواب میں عورت کی جانب سے بھی کوئی شخص خطاب کرتا اور مرد کے فضائل کو تسلیم کرتے ہوئے عورت اور اس کے خاندان و قبیلے کے فضائل ومناقب بیان کرتا تھا، اسی طرح ان کے ہاں یہ رواج بھی تھا کہ مرد کی جانب سے دیا جانے والا خطبہ طویل اور عورت کی جانب سے دیا جانے والا خطبہ مختصر ہوتا تھا۔ (۲۱۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نکاح کے لئے خطبے کو مسنون قرار دیا۔ البتہ آپ ﷺ نے اس میں یہ اصلاح فرمائی کہ خطبے میں ذاتی وخاندانی فضائل وامتیازات کے بیان کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور قرآن کریم کی چند متعلقہ آیات کی تلاوت کو معمول بنایا، جن میں فریقین کو ان کے حقوق وفرائض یاد دلا کر ان کی ادائیگی کی تلقین وترغیب دی گئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے منقول خطبات میں ایک خطبۂ نکاح بہت اہمیت کا حامل ہے، وہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا خطبہ، آپ ﷺ نے یہ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

الحمد لله المحمود بنعمته، المعبود بقدرته، المطاع بسلطانه، المرهوب من عذابه وسطوته، النافذ امره في سمائه وأرضه، الذي خلق الخلق بقدرته، و ميزهم بأحكامه، وأعزهم بدينه، و أكرمهم بنبيه محمد صلى الله عليه وسلم، ان الله تبارك اسمه، و تعالت عظمته، جعل المصاهرة سببا لاحقا و امرا مفترضا أوشج به الارحام، والزم به الانام، فقال عز من قائل ﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا O (الفرقان: ۵۴﴾ فأمر الله يجري الى قضائه، و قضاؤه يجري الى قدره، ولكل قدر اجل، ﴿وَلِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ يَّمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَ يُثْبِتُ وَعِنْدَهُ اُمُّ الْكِتَابِ O ﴿الرعد: ۳۹﴾ ثم ان الله عزو جل امرني ان ازوج فاطمة من علي بن ابي طالب فاشهدوا اني قد زوجته على اربع مائه مثقال فضة ان رضي بذالك علي(۲۱۷)

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو اپنی نعمتوں کی وجہ سے محمود ہے، اپنی قدرتوں کے سبب معبود ہے، اس کی طاقت اور قوت کی وجہ سے اس کی اطاعت کی جاتی ہے، اس کے عذاب اور جلال سے ہر وقت ڈرا جاتا ہے، اس کا حکم اس کی زمین اور اس کے آسمان میں نافذ ہے، اس نے اپنی قدرت سے مخلوقات کو پیدا کیا اور ان کو اپنے احکام کی تمیز کرائی، اور اپنے دین کے ذریعے ان کو عزت بخشی، اور اپنے نبی محمد ﷺ کے طفیل ان کو بزرگی عطا کی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ازدواجی رشتے کو قرابت کا ذریعہ بنایا ہے، اور اسے ایک ضروری چیز قرار دیا ہے جس سے رشتہ مضبوط ہو جاتا ہے، اور تمام لوگوں کو فطرتاً اس کی طرف راغب کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وہی ذات ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا اور نسب

اور دامادی کے رشتے مقرر فرمائے اور تیرا پروردگار بڑی طاقت والا ہے''۔ پس اللہ کے حکموں کا تعلق قضائے الٰہی سے ہے، اور قضا کا سلسلہ تقدیر پر ختم ہوتا ہے، ہر قضا کے لئے قدر ہے اور ہر قدر کے لئے ایک خاص وقت مقرر ہے اور ہر کام کا وقت لکھا جا چکا ہے، جس کو خدا چاہتا ہے مٹاتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے رہنے دیتا ہے اور اسی کے پاس تمام تحریروں کی جڑ ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح علی بن ابی طالب کے ساتھ کردوں، پس تم سب گواہ رہو کہ میں نے ۴۰۰ مثقال چاندی کے عوض ان کا عقد کر دیا بشرطیکہ علی رضی اللہ عنہ رضامند ہوں۔

خطبات وصایا: عربوں کے ہاں خطبات وصیت کو بھی خاص اہمیت حاصل تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض خطبے ایسے ارشاد فرمائے ہیں، جنہیں وصیت شمار کیا جا سکتا ہے، خصوصاً آپ ﷺ نے مرض وفات میں جو خطبے ارشاد فرمائے، ان میں وصیت کا رنگ گہرا اور نمایاں محسوس ہوتا ہے، انہی ایام کے ایک خطبے کے بارے میں ابن ہشام میں ایک روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر پر پٹی باندھ کر باہر تشریف لائے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے، سب سے پہلے آپ ﷺ نے اصحاب احد کے لئے دعا کی، یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک فرماتے رہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

ان عبد من عباد الله خيره الله بين الدنيا و بين ما عنده، فاختار ما عند الله، قال، ففهمها ابوبكر وعرف ان نفسه يريد، فبكى وقال، بل نحن نفديك بانفسنا وابناء نا، فقال، على رسلك يا ابا بكر، ثم قال، انظر وا هذه الابواب الافظة فى المسجد، فسدوها الا بيت ابى بكر، فانى لا اعلم احدا كان افضل فى الصحبة عندى يدا منه (۲۱۸)

اللہ نے اپنے ایک بندے کو دنیا اور جو اللہ کے پاس ہے ان میں سے ایک کو پسند کرنے کا اختیار دیا ہے، پس اس نے اس چیز کو جو اللہ کے ہاں ہے اختیار کر لیا ہے، راوی کا کہنا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے اور انہیں معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد خود حضور ﷺ ہیں، ابو بکر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور بولے، نہیں نہیں بلکہ ہم لوگ اپنے آپ کو، اپنی اولاد کو آپ ﷺ پر قربان کر دیں گے، آپ نے فرمایا، ابو بکر سہولت

سے کام لو، پھر فرمایا یہ دروازے جو مسجد میں کھل رہے ہیں ان سب کو بند کردو مگر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف کا دروازہ بند نہ کرو، کیوں کہ میں کسی بھی ایسے آدمی کو نہیں جانتا جو دست و بازو بن کر صحبت نشین ہونے کے اعتبار سے ابو بکر سے افضل ہو

متفرق خطبات : ان خطبات کے علاوہ بے شمار خطبے ایسے بھی ہیں، جنہیں شاید کسی خاص عنوان کے تحت درج نہ کیا جا سکے، یہ تمام خطبے اپنے موضوع کے علاوہ اس بنا پر بھی اہمیت کے حامل ہیں کہ ان کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، اور آپ ﷺ کی ذات گرامی سے منسوب ہو کر یہ ہم سب کے لئے قدر و منزلت کے مستحق بن گئے ہیں، اس لئے ان خطبات کے لئے اس بات سے زیادہ کہ ان کا کیا موضوع ہے اس کی اہمیت ہے کہ یہ کس ذات بابرکات سے تعلق رکھتے ہیں۔

حاصل کلام : اس پوری بحث کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت تمام انسانی موضوعات کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اگر چہ ہم تک آپ ﷺ کے خطبات کا ایک محدود سا حصہ ہی پہنچ سکا ہے، لیکن وہ حصہ بھی اس قدر وقیع ہے کہ اسے نہ تو عربی ادب کی حیثیت سے نظر انداز کیا جا سکتا ہے نہ موضوع کے اعتبار سے اس سے صرف نظر کرنا ممکن ہے۔

پھر یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خطابت میں عربوں کے ہاں رائج اسلوب خطابت کا تتبع تو کیا ہے مگر آپ ﷺ نے اسلوب و انداز کی طرح موضوعات میں بھی اپنی انفرادیت قائم کی ہے، اور ان کے ہاں رواج پا جانے والی خرابیوں اور خامیوں کو دور کر کے خطابت کو درست اور اصلاحی نہج پر گامزن کیا ہے، جس کے مثبت اثرات آج تک اسلامی خطابت میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

آپ ﷺ کا اندازِ خطابت

رسول اکرم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندازِ خطابت کے بارے میں لکھتے ہوئے سب ہی اس امر پہ متفق نظر آتے ہیں کہ آپ ﷺ کا اسلوب نہایت سادہ مگر پر اثر ہوتا تھا، آپ فطری انداز میں خطاب فرماتے تھے، آپ ﷺ کا اندازِ خطابت ہم سے تفصیلی جائزے کا تقاضا کرتا ہے، ذیل میں اس کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

سادگی سے آمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبۂ ارشاد فرمانے کے لئے تشریف لاتے تھے تو کسی قسم کی مصنوعی شان و شوکت کے اظہار کو پسند نہیں فرماتے تھے، بلکہ نہایت سادگی کے ساتھ تشریف لاتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ جب خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے اپنے حجرے سے نکلتے تو نہ آپ

ﷺ کے ساتھ سلاطین کی طرح گارڈ ہوتے تھے، نہ آپ آج کل کے خطیبوں کی طرح مخصوص لباس زیب تن کرتے تھے نہ قیمتی اور طرح طرح کی چادریں آپ ﷺ کے جسم مبارک پر ہوتی تھیں (۲۱۹)

حمد و استغفار سے آغاز : رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد، طلب استعانت اور استغفار سے فرماتے تھے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا خطبہ اس طرح شروع فرماتے تھے:

الحمد لله نستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور انفسنا، من يهدى الله، فلا مضل لهٗ، ومن يضلل، فلا هادى له، واشهد ان لا اله الا الله، واشهد ان محمداً عبده ورسوله، ارسله بالحق بشيراً ونذيرا بين يدى الساعة، من يطع الله ورسوله، فقد رشد ومن يعصهما، فانه لا يضر الا نفسه، ولا يضر الله شيئا۔ (۲۲۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کے بارے میں اور آپ ﷺ کے خطبے کے مضامین کے حوالے سے ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وكان مدار خطبه على حمد الله، والثناء عليه بالائه، وأوصاف كماله ومحامده، وتعليم قواعد الاسلام، وذكر الجنة والنار والمعاد، والامر بتقوى الله، وتبيين موارد غضبه، ومواقع رضاء، فعل هذا كان مدار خطبه (۲۲۱)

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے خطبے کے آغاز کی روایت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم فرمودہ ہے، آپ ﷺ سے پہلے خطبے کے آغاز کے لئے حمد وثنا کا رواج نہ تھا (۲۲۲) جبکہ خطبات عیدین کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر یعنی اللہ اکبر سے فرماتے تھے۔ (۲۲۳)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات اور آپ کے آغاز خطبہ کے بارے میں ابن قتیبہ کی رائے نہایت جامع ہے، وہ کہتے ہیں:

تتبعت خطب رسول الله ﷺ فوجدت اوائل اكثرها، "الحمد لله نحمده و نستعينه ونؤمن به ونتوكل عليه، من

يهده الله فلامضل له ومن يضلل فلا هادى له، وأشهدأن لا الله الا الله وحده لاشريک له"، وجدت فى بعضها "اوصيكم بتقوى الله، واحثكم على طاعته" ووجدت كل خطبة مفتاحها الحمد الاخطبة العيد، فان مفتاحها التكبير ۔(۲۲۴)

اما بعد کا استعمال : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبے کے آغاز میں حمد وثناء کے بعد اصل مضمون کا آغاز کرنے سے قبل امابعد کا بھی استعمال فرماتے تھے، اسی طرح مکاتیب میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے امابعد کا استعمال ثابت ہے۔ (۲۲۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کلمہ امابعد کوئی تمیں بتیس صحابۂ کرام سے منقول ہے، (۲۲۶) البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس کلمے کا سب سے پہلے استعمال کس نے کیا؟ ایک قول یہ ہے کہ اس کے سب سے پہلے قائل حضرت داؤدعلیہ السلام ہیں، چنانچہ امام طبرانیؒ نے اس سلسلے میں حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کی ہے لیکن اس کی سند میں ضعف ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو سب سے پہلے استعمال کرنے والے حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں، یہ روایت امام دار قطنی نے اپنی کتاب ''غرائب مالک'' میں نقل کی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا سب سے پہلا قائل یعرب بن قحطان ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کو کعب بن لوی نے استعمال کیا۔ پانچواں قول یہ ہے کہ سب سے پہلے سحبان بن وائل نے اس کا استعمال کیا۔ چھٹا قول قس بن ساعدہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس نے سب سے پہلے اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔ پہلا قول زیادہ راجح ہے۔ واللہ اعلم ۔(۲۲۷)

کھڑے ہو کر خطبہ دینا : رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، چنانچہ جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہمیں نے نبی کریم ﷺ کو جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا، آپ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے، پھر آپ بیٹھ گئے اور کچھ کلام نہیں کیا پھر دوبارہ آپ کھڑے ہوئے اور دوسرا خطبہ ارشاد فرمایا، سو اگر کوئی تم سے یہ بیان کرے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے تو وہ غلط بیانی کرے گا۔ (۲۲۸) جبکہ آپ جمعہ کے خطبے میں دوخطبوں کے درمیان وقفے میں منبر پر تشریف فرما ہوتے تھے، جیسا کہ اس روایت میں بھی ذکر ہوا، دوسری روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آپ ﷺ دوخطبے کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے تھے اور ان کے درمیان بیٹھ کر وقفہ فرماتے تھے۔ (۲۲۹)

البتہ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر کھڑے ہو کر اور اونٹنی وغیرہ پر سوار ہو کر بھی خطبات ارشاد فرمائے ہیں۔ (۲۳۰) جیسا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر یوم عرفہ اور منیٰ کے خطبات اونٹنیوں پر

سوار ہو کر دیئے گئے تھے۔(۲۳۱) اور فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ دیا تھا، وہ خانۂ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا تھا، اس موقع پر روایت میں الفاظ **علی باب الکعبۃ** اور **علی درجۃ الکعبۃ** کے آتے ہیں۔(۲۳۲) منبر پر کھڑے ہونے سے قبل آپ ایک کھجور کے تنے کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے، بعد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس طرح کھڑا ہونا دشوار ہو گیا تو آپ ﷺ کے لئے منبر بنوایا گیا۔(۲۳۳) اس کے بعد آپ منبر پر تشریف فرما ہو کر خطبہ ارشاد فرمانے لگے۔(۲۳۴)

کمان و عصا کے سہارے کھڑے ہونا : روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعض مواقع پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کمان و عصا وغیرہ کا بھی سہارا لیا ہے، حکم بن حزن کلفی کہتے ہیں کہ ہمیں وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم وہاں چند روز ٹھہرے، اس دوران ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جمعہ میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا، آپ ایک عصا یا کمان کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے اور چند پاکیزہ مبارک اور ہلکے پھلکے کلمات کے ساتھ اللہ کی حمد و ثنا بیان کی۔(۲۳۵)

اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد وغیرہ کے مواقع پر جب خطبہ ارشاد فرماتے تو کمان کا سہارا لیتے تھے اور عام ایام میں آپ ﷺ کے ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔(۲۳۶)

لوگوں کی جانب متوجہ ہونا : آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی خطبہ ارشاد فرماتے تو لوگوں کی جانب متوجہ ہو کر خطاب فرماتے تھے، چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ جب منبر پر کھڑے ہوتے تھے تو اپنے صحابہ کی جانب متوجہ ہوتے تھے۔(۲۳۷) اسی طرح دوسری روایت میں آتا ہے، صحابی بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو ہماری جانب متوجہ ہوتے تھے(۲۳۸)

سلام کرنا : آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو سب سے پہلے السلام علیکم کہتے تھے اس کے بعد خطبہ شروع کرتے۔(۲۳۹) ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

> رسول اللہ ﷺ جب جمعہ کے روز مسجد میں داخل ہوتے تو پہلے تو ان کو سلام کرتے جو منبر کے پاس بیٹھے ہوئے ہوتے تھے، پھر جب آپ منبر پر تشریف فرما ہوتے اور لوگوں کی جانب متوجہ ہو جاتے تو پھر سب حاضرین کو سلام کرتے تھے(۲۴۰)

خطبے کے دوران آواز کا بلند ہونا : خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے موضوع اور محل کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک بلند ہو جاتی تھی، آپ ﷺ کی خطابت کی کیفیت کو بیان کرنے والے صحابۂ کرام کا بیان ہے کہ جوشِ خطابت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخ ہو

جاتیں، آواز بلند اور گرج دار ہو جاتی، چہرۂ مبارک پر جلال کے آثار نمایاں ہو جاتے، اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لشکرِ اسلام کو جہاد کے لئے جوش دلا رہے ہیں۔ (۲۴۱) بعض اوقات جوش کی بنا پر منبر پر آپ ﷺ کا جسم مبارک جھومنے لگتا تھا۔ اور دورانِ تقریر آپ کبھی مٹھی بند کر لیتے اور کبھی کھول دیتے تھے، اور صحابہ کرام کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ کہیں آپ ﷺ منبر سے گر ہی نہ پڑیں۔ (۲۴۲) بعض اوقات ہاتھوں کی حرکت سے پٹھوں کے چٹخنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ (۲۴۳) ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایسے موقع کی صحیح منظر کشی فرمائی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جبار زمین و آسمان کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا اور آپ ﷺ کبھی اپنا ہاتھ کھولتے اور کبھی مٹھی بند کر لیتے، پھر اللہ تعالیٰ کہے گا، میں ہی جبار رہوں، فقط میں ہی بادشاہ ہوں، کہاں ہیں جابر لوگ، کہاں تکبر کرنے والے، اور راوی کہتا ہے کہ آپ ﷺ کبھی دائیں جانب مائل ہوتے اور کبھی بائیں جانب حتیٰ کہ میں نیچے سے ہلتے ہوئے منبر کو دیکھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں منبر آپ ﷺ کو ساتھ لے کر نیچے ہی نہ آ رہے (۲۴۴)

سوال و جواب: رسول اکرم ﷺ اپنے خطبوں کے دوران ابلاغ و تفہیم کی خاطر اور بات واضح کرنے اور سمجھانے کے لئے سوال و جواب کا اسلوب بھی اختیار فرماتے تھے، چنانچہ ہوازن والا خطبہ پورا ہی سوال و جواب کی صورت میں ہے (۲۴۵) اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے جو مختلف خطبے ارشاد فرمائے ان میں بھی یہ اسلوب نمایاں ہے، مثلاً فرمایا: ای یوم ھذا؟ آج کونسا دن ہے؟ اور فرمایا: اَلا ھل بلغت؟ خبردار، کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک نہیں پہنچا دیا؟ یہ جملہ آپ ﷺ نے کئی بار فرمایا۔ (۲۴۶)

قرآنی آیات کا استعمال: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندازِ خطابت کی خصوصیات میں سے ایک چیز قرآنی آیات کا بے تکلفانہ استعمال بھی ہے، آپ ﷺ کچھ اس انداز سے انہیں اپنے خطبوں کا حصہ بناتے تھے کہ آیات قرآن الگ سے نمایاں ہونے کے باوجود اس کا حصہ معلوم ہوتی ہیں، اور آپ جو کچھ کہنا چاہتے تھے اس کا مفہوم ان آیات سے مزید واضح ہو جاتا اور زورِ بیان میں بھی اضافہ ہو جاتا تھا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں یہ اسلوب غالب ہے، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> واوصیکم بتقوی اللہ فان خیر ماوصی بہ المسلم ان یحضہ علی الآخرۃ وان یامرہ بتقوی اللہ، فاحذروا ماحذرکم اللہ من نفسہ ولاافضل من ذلک نصیحۃ، ولا افضل من ذلک ذکر،

وان تقوی الله لمن عمل بها علی وجل ومخافة من ربه وعون صدق علی ماتبغون من امر الآخرة ومن یصلح الذی بینه وبین الله من امره فی السر والعلانیه، لاینوی بذلک الا وجه الله یکن لهٗ ذکراً فی عاجل امره وذخرا فیما بعد الموت، حین یفتقر المرء الی ماقدم، وما کان من سوٰی ذلک یودلوان بینه وبینه امدا بعیدا، و یحذرکم الله نفسه، والله رؤف بالعباد، والذی صدق قوله وانجز وعده لاخلاف لذلک، فانه یقول عزوجل: مایبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید، فاتقوا الله فی عاجل امر کم واجله، فی السر والعلا نیة فانه من یتق الله یکفر عنه سیاته ویعظم لهٗ اجرا، ومن یتق الله فقد فاز فوزا عظیما.....فاحسنوا کما احسن الله الیکم وعادوا اعداءه وجاهدوا فی الله حق جهاده، هو اجتباکم وسماکم المسلمین، لیهلک من هلک عن بینة ویحیی من حی عن بینة(۲۴۷)

مسلمان کے لئے بہترین وصیت وہ ہے جو اسے آخرت کے لئے آمادہ کرے اور اسے اللہ سے ڈرنے کا حکم دے، ان امور سے بچتے رہو جن سے اللہ نے روکا ہے، اس سے بہتر کوئی نصیحت نہیں اور اس سے بہتر کوئی ذکر نہیں، اللہ کا تقویٰ، جو شخص خوف اور خشیت الٰہی سے اس پر عمل کرتا ہے اور سچے دل سے آخرت کا طالب ہے اور اپنے مخفی اور ظاہری امور کی جو اس کے اور اللہ کے درمیان ہیں اصلاح کرتا ہے اور اس سے صرف اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے، اس کے لئے یہ امر دنیا میں یادگار، موت کے بعد ذخیرہ ہوگا جب کہ آدمی اپنے اچھے اعمال کا محتاج ہوگا اور جو شخص اس کے سوا دوسری طرح کے اعمال کرتا ہے وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور قیامت کے درمیان ایک طویل فاصلہ ہوتا، اللہ اپنے آپ سے تمہیں ڈراتا ہے اور وہ بندوں پر مہربان ہے، وہ ایسا ہے جو سچی بات کرتا ہے، وعدہ پورا کرتا ہے،

وعدہ خلافی نہیں کرتا، کیوں کہ اس کا ارشاد ہے: ''میرے ہاں بات تبدیل نہیں ہوتی اور میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ پس اللہ سے ڈرو، اپنی دنیا اور آخرت کے معاملات میں، مخفی اور ظاہر امور میں، کیوں کہ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اُس کے گناہ دور کردے گا اور اسے بہت بڑا اجر دے گا، جو اللہ سے ڈرا اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کرلی ..... نیکی کرو جیسا کہ اللہ نے تم پر احسان کیا۔ اس کے دشمنوں کو دشمن سمجھو اور راہِ خدا میں جہاد کا حق ادا کرو، اس نے تمہیں چن لیا اور تمہارا نام ''مسلم'' رکھا تا کہ جو ہلاک ہو وہ بھی دلیل دیکھ کر اور جو زندہ رہے وہ بھی دلیل کے سہارے۔

اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس کا ایک حصہ دیکھئے:

یا معشر قریش! ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالآباء، الناس من آدم و آدم من تراب، یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر واُنثی وجعلنکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔ (۲۴۸)

اے گروہ قریش! اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آبا و اجداد پر فخر و غرور زائل کردیا، سب انسان آدم سے پیدا ہوئے اور آدم مٹی سے ہیں، اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے گروہ اور قبیلے بنا دیئے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم میں سب سے زیادہ شریف اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

سوالوں کے جوابات : اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دورانِ خطاب لوگوں کے سوالوں کے جوابات بھی دیتے تھے، اور سائل کو مطمئن فرما دیتے تھے، اور پھر اپنے سلسلہ گفتگو کو جاری رکھتے تھے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے اس کے اس سوال کو نظر انداز فرمایا، اور حاضرین نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا، لیکن وہ شخص پھر بولا اور اس نے اپنا سوال دہرایا، جب تیسری بار بھی اس نے اپنا سوال پیش کیا تو نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ویحک، ماذا اعددت لھا؟ افسوس ہے تجھ پر، تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ وہ بولا حب اللہ و رسولہ، اللہ اور اس کے رسول کی محبت، آپ ﷺ نے فرمایا: انک مع من احببت (۲۴۹) تم ان ہی کے ساتھ ہو گے، جن سے تم محبت رکھتے ہو

تکرار : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گفتگو کے دوران سامعین کی ذہنی کیفیت کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کی سہولت اور آسانی کی خاطر اپنی بات کو دو تین بار دہرایا بھی کرتے تھے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات فرماتے تو اسے تین بار دہراتے تاکہ وہ بات سامعین کے ذہن نشین ہو جائے۔ (۲۵۰)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے جو چند خطبے ارشاد فرمائے تھے ان میں یہ پہلو نمایاں ہے، مثال کے طور پر آپ نے فرمایا تھا:

فان دمائکم واموالکم واعراضکم بینکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھرکم ھذا۔ (۲۵۱)

پس بلاشبہ تمہاری جانیں اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح کہ حرمت ہے تمہارے اس دن کی تمہارے اس شہر میں اور تمہارے اس مہینے میں۔

اسی طرح اسی خطبے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اللھم اشھد** (۲۵۲)

اختتامی کلمات : آپ ﷺ نے اپنے خطبوں کے اختتام کے لئے مختلف اوقات میں مختلف انداز اختیار فرمائے ہیں، اکثر اوقات آپ اس مقصد کے لئے والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتے تھے۔ (۲۵۳) ایک بار آپ ﷺ نے والسلام علیکم وعلی رسول اللہ وبرکاتہ (۲۵۴) کے الفاظ بھی ادا فرمائے ہیں، اسی طرح ایک خطبے کے اختتام پر آپ ﷺ نے صرف **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** (۲۵۵) اور ایک بار **اللہ اکبر ولاقوۃ الا باللہ العظیم** (۲۵۶) کے الفاظ کہے تھے، بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے خطبات کا اختتام استغفار اور طلب مغفرت پر فرماتے تھے، چنانچہ آپ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں: **اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم** (۲۵۷) جب کہ ایک بار آپ ﷺ نے اپنے خطبے کا اختتام ان الفاظ پر کیا تھا:

اللھم اغفرلی ولامتی، اللھم اغفرلی ولامتی، اللھم اغفرلی

ولامتی، استغفر اللہ لی ولکم۔ (۲۵۸)

خطبۂ جمعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیازات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام خطبوں کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی خصوصیات بھی اختیار فرمائی تھیں، جو جمعہ کے خطبے کے ساتھ خاص تھیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بھی ذیل میں ذکر کر دیا جائے۔

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز خطبہ اذان کے بعد شروع فرماتے تھے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے ارشاد فرماتے تھے، آپ منبر پر تشریف فرما ہو جاتے، پھر جب اذان ختم ہوتی تو آپ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے، پھر بیٹھتے اور کسی سے بات کئے بغیر پھر کھڑے ہوتے اور دوسرا خطبہ ارشاد فرماتے (۲۵۹)

۲۔ جمعہ کا خطبہ خاص طور پر آپ مختصر ارشاد فرماتے تھے، اگرچہ عام خطبوں میں بھی آپ کو اختصار ہی پسند تھا، جیسا کہ ماقبل میں بیان ہو چکا ہے۔ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی ہے، آپ ﷺ کی نماز بھی مختصر ہوتی تھی اور آپ کا خطبہ بھی مختصر ہوتا تھا۔ (۲۶۰) اور دوسری روایت کے الفاظ ہیں کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کے روز خطبے کو طول نہیں دیتے تھے بلکہ وہ بہت ہی مختصر اور آسان کلمات ہوتے تھے۔ (۲۶۱)

۳۔ آپ جمعہ کا خطبہ خاص طور پر منبر پر ہی ارشاد فرماتے تھے، البتہ جب تک منبر نہیں بنا تھا، اس وقت تک زمین پر کھڑے ہو کر ایک کھجور کے تنے کے سہارے خطبے ارشاد فرماتے تھے، اسی طرح یہ بھی مسنون ہے کہ منبر قبلے کے دائیں جانب ہو، اس لئے کہ آپ ﷺ نے اسی طرح منبر رکھوایا تھا۔ (۲۶۲)

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کو دو خطبے ارشاد فرماتے تھے، اور دونوں کے درمیان بیٹھ کر وقفہ فرماتے تھے (۲۶۳)

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے خطبے کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے فرماتے تھے اور پھر وعظ و نصیحت کا آغاز فرماتے تھے۔ (۲۶۴)

۶۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبۂ جمعہ میں بکثرت قرآن حکیم کی تلاوت بھی کیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت جابرؓ ہی سے منقول ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کو خطبہ ارشاد فرماتے تو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے اور لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے۔ (۲۶۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ کے روز خطبے کے دوران سورۂ ق کی تلاوت بھی منقول ہے۔

(۲۶۶) اسی طرح آپ سے سورۂ ملک (۲۶۷) سورۂ زمر کی آخری آیات، (۲۶۸) سورۂ کافروں (۲۶۹) اور سورۂ اخلاص (۲۷۰) کی تلاوت کی روایات بھی آتی ہیں۔

خطابت نبوی ﷺ کے اثرات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے جہاں عرب قوم اور عربی زبان وادب پر متعدد حوالوں سے اثرات مرتب ہوئے وہیں خطابت نبوی ﷺ سے بھی پوری تاریخ ادب متاثر ہوئی اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے بھرپور اثرات قبول کئے۔ آپ ﷺ نے خطابت کے رائج اسلوب، طریقوں اور اس کے مقاصد ہر ایک میں تبدیلیاں کیں، اور یہ تبدیلیاں بعد میں خطابت کا ناگزیر حصہ بن گئیں، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل کے ذریعے عرب خطابت کا رخ موڑ دیا، آپ ﷺ سے قبل خطابت لفظوں کا گورکھ دھندہ اور الفاظ کی شعبدہ بازی تھی، آپ ﷺ نے لایعنی، مہمل، مجمل اور مصنوعی گفتگو خطابت کا خاتمہ کرکے اسے مقصدیت کی طرف مائل کیا، یہ سب چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے ذریعے اسلامی خطابت کا حصہ بن گئیں۔

تلاش وجستجو سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت سے چند بڑے اثرات کلام عرب اور اسلامی خطابت میں آئے ہیں۔

دینی رجحان : آپ ﷺ سے قبل خطابت محض ذاتی، خاندانی اور قبائلی فخر ومباہات کا ذریعہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا رخ دین کی طرف موڑ دیا، اور اس میں دینی رنگ پیدا کردیا، جس کی وجہ سے اسلامی موضوعات، عقائد، احکامات کی توضیح وتشریح، تہذیب وثقافت اور اسلامی معاشرت اس کا حصہ بن گئے، اور ان کے بارے میں عقلی دلائل، تجربات ومشاہدات، تجزیے وتبصرے، امثال وتمثیلات، قصص انبیاء وصحابہ وغیرہم اور حالات اقوام سابقہ وغیرہ امور سے خطبات مزین ہونے لگے۔

منافرت کا اختتام : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قبل خطابت عرب کی بنیاد باہمی منافرت پر تھی۔ آپ ﷺ نے اسے یکسر ختم کرکے صلح، امن واحترام آدمیت کے موضوعات خطابت کو دیئے، یہ چیزیں آپ ﷺ کے بعد اسلامی خطابت کا ناگزیر حصہ بن گئیں۔

سادگی : آپ ﷺ سے پہلے خطابت جمع وقافیہ بندی کے تنگنائے میں بند تھی، آپ ﷺ نے جہاں معنوی اعتبار سے خطابت کو وسعت عطا کی وہیں اسے فرضی وخودساختہ لفظی حدود سے بھی آزاد کیا، اور سادہ وبے تکلف خطابت کا تصور پیش کیا، جس نے دیکھتے ہی دیکھتے قبولیت عامہ حاصل کرلی،

جس میں الفاظ کی شوکت بھی تھی، جمع کی خصوصیت بھی، لہجے کی خوبیاں بھی تھیں اور آواز کا زیر و بم بھی، مگر یہ سب کچھ ایک دائرے کے اندر اور اصل مقصد کے تابع تھا، نہ کہ بجائے خود ایک مقصد، یہ خوبیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اسلامی خطابت تک پہنچیں، جس نے انہیں اپنے اندر جذب کرلیا۔ خطابت عربی اور شعرائے عرب کا جائزہ لیتے ہوئے ابن سلام کہتا ہے کہ اگر جاہلیت اور اسلام کے دور کا تجزیہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کے زمانے میں لوگ اجنبی اور غیر مانوس کلام کو ناپسند کرتے تھے اور مٹھاس، تازگی اور تسلسل کے حامل کلام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے اور ایسے کلام کو بھی پسند کرتے تھے جس کی تفہیم آسان ہو اور جس سے لطف اندوز ہونے کی توقع ہو، جاہلیت کے شعرا تعریف میں بے حد مبالغے سے کام لیتے تھے لیکن جب اسلام آیا تو اس دور میں اکثر شعرا کے درمیان صداقت ہی اصل معیار قرار پائی۔(۲۷۱)

مقصدیت کا فروغ : آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطابت کو ایک مقصد عطا کیا، اور اسے اعلیٰ و ارفع منازل سے روشناس کرایا، عربوں میں رائج خطابت پر آپ ﷺ کا یہ احسان عظیم ہے، آپ ﷺ کی آمد سے قبل خطابت کا استعمال مثبت بنیادوں پر بہت کم تھا، اسے اچھے مقاصد میں استعمال کرنے والے لوگ موجود تھے، مگر بہت تھوڑے محض گنتی کے چند، ایسے میں آپ ﷺ کی آمد نے اسے نئے رجحان سے آشنا کیا اور بعد میں خطابت اعلیٰ و ارفع مقاصد کے لئے وقف ہوگئی۔

قرآن کریم اور کلام نبوی سے استشہاد : خطابت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم اثر یہ پڑا کہ اس میں قرآن حکیم کی آیات اور آپ کے کلمات خصوصاً جوامع الکلم کو بنیادی حیثیت حاصل ہوگئی، اور ان کے بغیر خطاب کو نامکمل اور ادھورا سمجھا جانے لگا، جاحظ کہتا ہے کہ علاوہ ازیں خطبائے سلف صالحین اور بھلائی کے ساتھ اتباع کرنے والے اہل بیان اس خطبے کو دم کٹا اور ناقص کہتے تھے، جو اللہ کی حمد و توصیف سے شروع نہ کیا گیا ہو، اور جو خطبہ آیات قرآنی اور نبی کریم پر ﷺ درود و صلاۃ سے مزین نہ ہو اسے بگڑی ہوئی شکل والا کہتے تھے۔(۲۷۲)

یہی وجہ ہے کہ وہی فن خطابت جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی موجود تھا، اور عربوں کے ہاں اس کا استعمال عام تھا مگر اعلیٰ ترین اقدار زندگی کے لئے اس کا استعمال نہیں ہوتا تھا لیکن آپ نے اسے شرک و بت پرستی کی جڑیں کاٹنے اور انسانی معاشرے کی اصلاح کے لئے ایک کامیاب ہتھیار کے طور پر استعمال کیا، توحید و رسالت اور حق و صداقت کی تبلیغ، عمل صالح، اصلاح ذات البین، تحریض علی الجہاد اور انسانیت کی فلاح دارین کے لئے آپ ﷺ خطابت کو استعمال میں لائے۔(۲۷۳)

عہد اسلامی میں خطابت کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے استاد احمد حسن زیات کہتے ہیں کہ اس دور کی خطابت کی اہم خصوصیات حلاوت لفظ، متانت اسلوب، زور بیان، قوت تاثیر، آیات قرآنی کے اقتباسات وحوالہ جات، مطلب سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کے لئے قرآن کے طرز بیان کی پیروی، اور حمد وصلوٰۃ اس کی ابتدا ہیں۔ زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق تمام عرب تقریر کرتے وقت عمامہ باندھتے، عصا ہاتھ میں لیتے اور اونچی جگہ کھڑے ہو کر تقریر کرتے تھے، صرف ایک ولید بن عبدالملک ہیں جنہوں نے بیٹھ کر تقریر کی۔ (۲۷۴)

جرجی زیدان نے خطابت اسلامی پر بحث کرتے ہوئے ہماری اس ساری بحث کا خلاصہ چند لفظوں میں پیش کر دیا ہے، اور بڑی خوب صورت بات کی ہے، وہ کہتا ہے کہ اسلام میں آ کر خطابت میں بلاغت اور حکمت دونوں کا اضافہ ہو گیا، اسلوب قرآن نے شاعری کو بھی بہت متاثر کیا، لیکن خطابت میں اس کے اثرات بہت نمایاں ہیں۔ (۲۷۵) اسلام کی آمد کے بعد خطابت کی طاقت وتاثیر بڑھ گئی اور اس فن میں مسلمانوں نے وہ مقام حاصل کر لیا کہ ان سے پہلے کم ہی کسی نے حاصل کیا تھا۔ حتیٰ کہ وہ یونانیوں اور رومیوں سے بھی بڑھ گئے۔ (۲۷۶) مسلمان عسکری قائدین اور سالاروں کے خطبوں نے جنگ کے پانسے پلٹ ڈالے، ناسازگار حالات میں بھی قائد لشکر کے ایک خطبے نے شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا، تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ (۲۷۶) یہ سب حضور اکرم ﷺ کی خطابت کا فیضان ہے۔ (۲۷۷)

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت اور جوامع الکلم، فصاحت و بلاغت اور ایجاز و بیان میں قرآن کریم کے بعد دوسرے درجے پر ہیں، اسی لئے عربی زبان و ادب پر اثر انداز ہونے کے لحاظ سے بھی اس کا درجہ کلام اللہ کے بعد ہے، خصوصاً آپ ﷺ کے حکمت بھرے اقوال اور جوامع الکلم جو ہر ادیب کے لئے خوبصورت نمونہ ہیں اور ایک ایسا زیور ہیں جس سے ہر انشا پرداز اور خطیب کا کلام زینت حاصل کرتا ہے۔ (۲۷۸)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ابن المنظور/ لسان العرب/ نشر ادب الحوزہ، قم، ایران، ۱۴۰۵ھ/ ج ۱، ص ۳۶۱،

۲۔ ایضاً،

۳۔ لسان العرب/ ایضاً

☆ فیروز آبادی، شیخ مجد الدین محمد بن یعقوب/ القاموس المحیط/ دار الفکر، بیروت/ ج ۱/ ص ۶۳

۴۔ لسان العرب/ ایضاً ☆ القاموس المحیط/ ایضاً
۵۔ لسان العرب/ ایضاً
۶۔ لسان العرب/ ایضاً
۷۔ عطیہ محمد سالم/ اصول الخطابۃ والانشاء/ مکتبہ دارالتراث، مدینہ منورہ، ۱۹۸۸ء/ ص۹
۸۔ اصول الخطابۃ والانشاء/ ص۹
۹۔ ایضاً
۱۰۔ ارسطو طالیس/ الخطابۃ/ ص۹۰
۱۱۔ ابن رشد/ تلخیص الخطابۃ/ ص۱۵
۱۲۔ تعمیم الاحسان المجددی/ قواعد الفقہ/ بہ ذیل مادہ خطب،
۱۳۔ سعدی ابوحبیب/ القاموس الفقہی/ ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ کراچی/ ص۱۱۸
۱۴۔ دکتور توفیق الواعی/ الخطابۃ واعداد الخطیب/ دارالیقین، مصر ۱۹۹۹ء/ ص۱۲۔
۱۵۔ ابوزہرہ/ الخطابۃ، اصولہا، تاریخہا/ دارالفکر العربی، قاہرہ/ علی ہامشہ/ ص۱۵۔
۱۶۔ ابوزہرہ/ ایضاً
۱۷۔ ابوزہرہ/ ص۱۶، ۱۷۔
۱۸۔ توفیق الواعی/ ص۱۳،
۱۹۔ ایضاً
۲۰۔ موسوعۃ عباس محمود العقاد الاسلامیہ/ بیروت، المکتبہ العربیہ/ ج۲، ص۲۰۳
۲۱۔ جاحظ/ البیان والتبیین/ ج۳، ص۲۰
۲۲۔ توفیق الواعی/ ص۱۲۔۱۳
۲۳۔ عبدالجلیل شلبی/ الخطابۃ/ ص۱۳
۲۴۔ ابوزہرہ/ ص۸
۲۵۔ ایضاً، ص۸، ۹
۲۶۔ ابوزہرہ/ ص۱۶
۲۷۔ ایضاً
۲۸۔ جاحظ/ البیان والتبیین/ ج۱، ص۲۲۷
۲۹۔ دکتور عبدالغفار محمد عزیز/ مذکرۃ فی علم الخطابۃ/ دارالمعارف السعودیہ، ریاض، ۱۹۷۷ء/ ص۲
۳۰۔ دکتور عبداللہ شحاتہ/ الدعوۃ الاسلامیہ والاعلام الدینی/ الہیئۃ المصریہ العامہ للکتاب/ ۱۹۷۸ء/ ص۱۹
۳۱۔ دکتور اشرف محمد موسیٰ/ الخطابۃ وفن الالقاء/ مکتبۃ الخانجی، قاہرہ، ۱۹۷۸ء/ ص۱۹۔
۳۲۔ دکتور عبداللطیف حمزہ/ الاعلام فی صدر الاسلام/ دارالفکر العربی، قاہرہ/ ۱۹۷۸ء/ ص۱۴،

۳۳۔ راقم الحروف کے پیش نظر الخطابہ کا عربی ترجمہ ہے۔

۳۴۔ ابوزہرہ/ص۹ تا ۱۱

☆ توفیق الواعی/ص۱۷۔

۳۵۔ بلاذری کا پورا نام ابوالحسن احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری ہے۔ ۲۱۳ھ میں پیدا ہوا، اور ۲۷۹ھ/۸۹۲ء میں اس کا انتقال ہوا، یہ ماہر انساب، جغرافیہ دان، مترجم اور شاعر کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، اس کی مشہور کتب فتوح البلدان اور انساب الاشراف ہے۔

۳۶۔ بلاذری/فتوح البلدان/ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۳ء/ص۸۵۷۔

۳۷۔ ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر/کیا قریش کے خواندہ افراد کی فہرست بلاذری حتمی ہے؟/مجلہ معارف اسلامیہ/ مدیر اعلیٰ، ڈاکٹر عبدالرشید/کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی،/ ج۳، شمارہ ۱، ۲۰۰۱ء/ص۴۸، ۵۰۔

اس حوالے سے ہجرت کے موقع پر سراقہ کا واقعہ بھی غور وفکر کی دعوت دیتا ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امان دے دی تو اس نے تحریر دینے کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی، اور آپ ﷺ نے عامر بن مہرہ کو تحریر لکھنے کا حکم دیا، چنانچہ انہوں نے ایک چمڑے پر یہ تحریر لکھ دی۔ (بخاری/ ج۲، ص۲۲۸) سوال یہ ہے کہ اگر عرب لکھنے سے پڑھنے سے ایسے ہی نابلد تھے تو حالت سفر میں اور سفر بھی ایسا مشکل ترین اور دشوار گذار، قلم اور لکھنے کا دیگر سامان کیسے دستیاب ہو گیا، اور اگر یہ ساتھ موجود تھا تو یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ تحریر اور کتابت اہل عرب کے لئے ایسی غیر معمولی چیز بھی نہ تھی۔

۳۸۔ السباعی بیومی/تاریخ الادب العربی،/ ج۲/ص۱۶۳

۳۹۔ طاہر درویش/ الخطابۃ فی صدر الاسلام/ص۱۱۸

۴۰۔ احسان نصر/ الخطابۃ العربیہ/ص۷، ۸۔ اس حوالے سے مزید بحث کے لئے دیکھئے: زکی مبارک/ النثر الفنی فی القرن الرابع/مصر، ۱۹۳۴ء/ص۳۵

۴۱۔ جاحظ/ ج۳/ص۲۶۲۔

۴۲۔ ابن قتیبہ/ عیون الاخبار/ ج۲/ص۱۶۹

۴۳۔ طاہر درویش/ الخطابۃ فی صدر الاسلام/ص۱۱۸

۴۴۔ ابن کثیر/ البدایہ النہایہ

۴۵۔ احمد بن عبدربہ/ العقد الفرید/طبع لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر/مصر، ۱۹۴۰ء/ ج۴، ص۱۴۹

۴۶۔ الخطابہ فی صدر السلام/ص۵۶، ۵۷

☆ ڈاکٹر جواد علی/ ج۸، ص۷۷۶

۴۷۔ جاحظ/ ج۱، ص۲۰۳

۴۸۔ ایضاً/ص۱۶۸

۴۹۔ ایضاً

۵۰۔ قلقشندی/ ج۱،ص۲۱۰
۵۱۔ احسان نصر/ص۹
۵۲۔ ملاحظہ کیجئے، ابوعلی القالی/ الامالی/ دارالکتب، قاہرہ،۱۹۲۶ء/ ج۱،ص۹۲۔
۵۳۔ احسان نصر/ص۱۰
۵۴۔ بوعلی القالی/ الامالی/ ج۱،ص۹۲
۵۵۔ جاحظ/ ج۱،ص۱۱۴
۵۶۔ ایضاً۔
۵۷۔ محمد بن یوسف الصیالحی الشامی،۹۴۲ھ/سبیل الہدیٰ والرشاد/ دارالکتب العلمیہ، بیروت۹۳ء/ ج۲، ص۱۶۵
☆ زرقانی/شرح مواہب اللدنیہ/ دارالمعرفہ، بیروت،۹۳ء/ ج۱،ص۲۰۱
☆ علی بن برہان الدین حلبی/ انسان العیون/ دارالمعرفہ، بیروت/ ج۱،ص۲۲۶
☆ سید احمد زینی دحلان/ السیرۃ النبویہ/ داراحیاء التراث الاسلامی، بیروت/ ج۱،ص۱۰۷
۵۸۔ حلبی/ ج۱،ص۲۲۷۔
۵۹۔ جاحظ/ البیان والتبیین/ ج۱،ص۱۱۴
۶۰۔ ایضاً
۶۱۔ احسان نصر/ص۱۰،۱۱
۶۲۔ العقد الفرید/ ج۲،ص۱۵۶
۶۳۔ ایضاً/ص۱۱
۶۴۔ العقد الفرید/ ج۲/ص۳۰۷
۶۵۔ ابوالفضل المیدانی/مجمع الامثال/ بولاق،مصر/ ج۲/ص۱۸۳
۶۶۔ العقد الفرید/ ج۶/ص۸۳
۶۷۔ ایضاً۔
۶۸۔ ملاحظہ کیجئے، احمد زکی صفوت/جمہرۃ خطب العرب/ ج۱ متعدد صفحات
۶۹۔ ابن ابی حدید/شرح نہج البلاغہ/ ج۴،ص۱۵۵
۷۰۔ المبرد/ الکامل/ ج۳،ص۶
۷۱۔ احسان نصر/ص۱۴،۱۹،ملخصاً
۷۲۔ امالی/ ج۱،ص۱۲۶
۷۳۔ احسان نصر/ الخطابۃ العربیہ/ص۲۰
۷۴۔ جواد علی/ المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام/ ج۸،ص۷۹۲

۷۵۔ ڈاکٹر طہٰ حسین/ فی الادب الجاہلی/ قاہرہ،۱۹۳۳ء/ص ۳۵۴

۷۶۔ ڈاکٹر سعید حسین منصور/ القیم الخلقیہ فی الخطابۃ العربیہ/مصر، الھیئۃ المصریۃ الکتاب،۱۹۷۹ء/ص ۱۳۔

۷۷۔ القرآن، سورۂ کہف، آیت ۹،۱۰

۷۸۔ ڈاکٹر صوفی محمد ضیاء الحق/ ہمزیات عشر/ لاہور، شیخ زاید اسلامی مرکز، جامعہ پنجاب،۲۰۰۳ء/ص ۸۱۶

۷۹۔ قرآنِ حکیم میں فرمایا گیا۔وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ○ (ابراہیم:۴) اور ہم نے تمام رسولوں کو ان کی قوم ہی کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا، تا کہ وہ ان کو (ہمارے احکام) بیان کر سکیں۔

۸۰۔ جاحظ، ابوعثمان عمرو بن بحر بن محبوب، (م۲۵۵ھ)/ البیان والتبیین/ بیروت، دار المکتبہ والہلال، ۱۹۹۲ء/ ج۱،ص ۳۴

۸۱۔ القرآن/ سورۂ یٰسین/ آیت ۱۷

۸۲۔ القرآن/ سورۂ اعراف/ آیت ۶۲

۸۳۔ القرآن/ سورۂ/ آیت ۶۸

۸۴۔ القرآن/ سورۂ اعراف/ آیت ۷۹،۹۳۔

۸۵۔ القرآن/ سورۂ نحل/ آیت ۳۵،

۸۶۔ القرآن/ سورۂ احزاب/ آیت ۳۹

۸۷۔ القرآن/ سورۂ عنکبوت/ آیت ۱۴

۸۸۔ القرآن/ سورۂ ہود/ آیت ۲۵، ۲۸ و نوح ۱ تا ۱۰

۸۹۔ کتاب مقدس/ پیدائش/ ۲۳ تا ۳۳

۹۰۔ القرآن/ سورۂ انعام/ آیت ۷۴

۹۱۔ ابن کثیر، عماد الدین، ابوالفداء (م۷۷۴ھ)/ البدایۃ والنہایۃ/ بیروت، دار الکتب العلمیہ،۲۰۰۱ء/ ج۱/ص ۲۲۶

☆ ابونعیم، احمد بن عبداللہ الاصبہانی (م۴۳۰ھ)/ حلیۃ الاولیاء/ بیروت، دار الکتاب العربی،۱۴۰۵ھ/ ج۱/ص ۱۶۷

۹۲۔ القرآن/ سورۂ ہود/ آیت ۶۱

۹۳۔ حاکم، ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ النیسابوری/ مستدرک علی الصحیحین/ بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰ء/ ج۲/ص ۶۲۰، رقم ۴۰۷۱۔

۹۴۔ القرآن/ سورۂ ہود/ آیت ۸۴،۸۵

۹۵۔ القرآن/ سورۂ طٰہٰ/ آیت ۲۵ تا ۳۲

۹۶۔ مریم ۳۰،۳۳

۹۷۔ اس سلسلے میں امثلہ اور مفصل گفتگو آئندہ صفحات میں "کلامِ نبوی ﷺ کی تاثیر" کے تحت ذکر ہو رہی ہے۔
۹۸۔ سید فضل الرحمٰن/ ہادیٔ اعظم ﷺ/ کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء/ ج۱، ص۲۷۶
۹۹۔ ابن حجر العسقلانی/ فتح الباری/ کراچی، قدیمی کتب خانہ/ ج۲، ص۵۰۶
۱۰۰۔ مصطفیٰ صادق الرافعی/ اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ/ بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۹۹۰ء/ ص۲۸۲
۱۰۱۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر/ فصاحتِ نبوی ﷺ/ لاہور اسلامک پبلی کیشنز، مارچ ۱۹۸۸ء/ ص۱۰۸
۱۰۲۔ جاحظ/ البیان والتبیین/ ج۱/ ص۱۱۷
۱۰۳۔ ایضاً/ ص۱۱۸
۱۰۴۔ ایضاً
۱۰۵۔ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر (م۶۷۱ھ) / تفسیر قرطبی/ قاہرہ، دار الشعب، ۱۳۷۲ھ/ ج۶، ص۱۷
۱۰۶۔ محمد ابن سعد/ الطبقات/ ج۱، ص۲۸۴۔
۱۰۷۔ شامی/ سبل الہدیٰ والرشاد/ ج۲، ص۹۱
۱۰۸۔ طبقات/ ج۱، ص۲۸۴
۱۰۹۔ ایضاً
۱۱۰۔ عبدالرزاق/ المصنف/ ج۳، ص۲۱۱، رقم ۵۳۶۶
۱۱۱۔ نسائی/ کتاب الحج، باب ما ذکر فی منیٰ/ رقم ۳۰۰۱
☆ بیہقی/ السنن الکبریٰ/ باب اخذ الحصی لرمی جمرۃ العقبۃ/ ج۷، ص۲۸، رقم ۹۶۲۳
۱۱۲۔ ابن ماجہ/ کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی القراءۃ فی صلاۃ اللیل/ ج۱، ص۴۳۳، رقم ۱۳۴۹
۱۱۳۔ طبقات/ ج۱، ص۲۸۴
۱۱۴۔ قاضی عیاض/ الشفاء/ ج۱/ ص۴۷
☆ الفاظ کے فرق سے یہ روایت ریاض النضرۃ میں بھی ہے۔ احمد بن عبداللہ بن محمد طبری، ابوجعفر (م ۶۹۴ھ)/ بیروت، دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۶ء/ ج۱، ص۴۷۱
۱۱۵۔ شامی/ ج۲، ص۹۱
۱۱۶۔ مسلم/ ج۱، ص۲۷۷، رقم ۱۷۷ (۴۶۴)
۱۱۷۔ معمر بن راشد الازدی (م۱۵۱ھ)/ جامع معمر بن راشد/ بیروت، المکتب الاسلامی ۱۴۰۳ھ/ ج۱۱، ص۱۷۶۔ رقم ۲۰۲۵۱ ☆ ابی یعلیٰ/ ج۳، ص۲۳۷۔
۱۱۸۔ جاحظ/ البیان/ ج۱/ ص۵۹
۱۱۹۔ توفیق الواعی/ الخطابہ/ ص۲۱۶
۱۲۰۔ ایضاً
۱۲۱۔ مصطفیٰ صادق الرافعی/ اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ/ ص۲۹۷

۱۲۲۔ جاحظ/ ج۲،ص۱۳،
۱۲۳۔ الشفاء/ ج۱،ص۴۶
۱۲۴۔ رافعی/ص۳۱۸
۱۲۵۔ حاکم/ المستدرک/ ج۴،ص۳۶۳،رقم ۷۹۳۰
۱۲۶۔ طبری، ابوجعفرمحمد بن جریر (م۳۱۰ھ)/ التاریخ / بیروت،دارالکتب العلمیہ ۱۴۰۷ھ/ ج۱،ص۴۵۷
۱۲۷۔ الشفاء/ ج۱،ص۴۶ ☆ احمد/ ج۶/ص۶۰۴،رقم ۲۳۱۶۷۔
☆ ابومحمدعبداللہ جمال الدین بن ہشام الانصاری،(م۷۶۱ھ)/شرح قطرالندی/ قاہرہ،۱۳۸۳ھ/ص۱۱۴
۱۲۸۔ الشفاء/ ج۱،ص۴۶
۱۲۹۔ حافظ احمدیار/علمی مقالات/ لاہور،شیخ زاید اسلامک سینٹر/ ج۲،ص۴۲
۱۳۰۔ بخاری/کتاب الجہاد والسیر،باب من تکلم بالفارسیۃ والرطانۃ/ رقم ۳۰۷۰
۱۳۱۔ ایضاً
۱۳۲۔ شامی/ ج۷،ص۱۳۳
۱۳۳۔ ابوداؤد/ ج۴،ص۴،رقم ۴۰۲۴
۱۳۴۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر،باب من تکلم بالفارسیۃ/ رقم ۳۰۷۱۔
۱۳۵۔ قرطبی/ التفسیر/ ج۱،ص۱۷۰۔
☆ طبری/ التفسیر/ ج۱،ص۲۶۰،طبری کے الفاظ ہیں،اشکنب درد
☆ عبد اللہ بن عدی، ابو محمد الجرجانی، (م۳۶۵ھ)/ الکامل فی ضعفاء الرجال/ بیروت، دار الفکر،۱۹۸۸ء/ ج۳،ص۱۲۱
۱۳۶۔ شامی/ ج۷،ص۱۳۴
۱۳۷۔ ابوداؤد/ ج۴،ص۲۸۱،رقم ۴۸۳۸
۱۳۸۔ ترمذی/ ج۵،ص۳۶۶،رقم ۳۶۵۹۔
☆ نسائی/عمل الیوم واللیلۃ/ بیروت، وسستہ الرسالہ،۱۴۰۶ھ/ ج۱،ص۳۱۴،رقم ۴۱۲
۱۳۹۔ ترمذی/شمائل/باب کیف کان کلام رسول اللہ ﷺ رقم ۲۲۴۔
۱۴۰۔ نسائی/السنن الکبری/ ج۶،ص۱۰۹،رقم ۱۰۲۴۵
۱۴۱۔ مسلم/ ج۴،ص۴۰۰،رقم ۳۰۰۴
☆ سیوطی/ الجامع الصغیر/ جدہ، دار طائر العلم/ص۲۹۵،رقم ۵۳۹۔
۱۴۲۔ ترمذی/ ج۴،ص۳۸۸۔رقم ۲۸۶۲۔
☆ حاکم معرفۃ علوم الحدیث البیروت دارالکتب العلمیہ،۱۸۷۷ء/ص۱۰۳
۱۴۳۔ ابن قتیبہ/ عیون الاخبار/ ج۲،ص۱۶۸ ☆ ابن عبدربہ/ العقد الفرید/ ج۲،ص۲۲۱،

۱۴۴۔ ابن تیمیہ، احمد عبدالحلیم ابوالعباس/ مجموع الفتاوی/ مکتبۃ ابن تیمیہ/ ج۱۸، ص۳۳۶
☆ شامی/ ج۲، ص۹۴
۱۴۵۔ ترمذی/ ج۳، ص۴۱۴، رقم ۲۰۳۴
☆ علی بن الجعد، ابوالحسن الجوہری البغدادی (م۲۳۰ھ)/ المسند/ بیروت، موسسۃ نادر ۱۹۹۰ء/ ص ۴۳۳، رقم ۲۹۴۹۔
۱۴۶۔ القرآن/ سورۂ ص، آیت ۸۸
۱۴۷۔ جاحظ/ ج۲، ص۱۳
۱۴۸۔ جاحظ/ ج۱، ص۳۷
۱۴۹۔ ڈاکٹر خالد علوی/ انسان کامل ﷺ/ لاہور، الفیصل، ۲۰۰۱ء/ ص۱۳۴
۱۵۰۔ مستدرک/ ج۳، ص۴۴۴، رقم ۵۶۸۳
۱۵۱۔ ابن حبان/ الصحیح/ ج۷، ص۳۱، رقم ۲۷۹۱ ☆ ابویعلی/ ج۳، ص۲۰۶، رقم ۱۶۴۲۔
۱۵۲۔ جاحظ/ ج۱، ص۲۵۰
۱۵۳۔ ابوزہرہ/ الخطابہ/ ص۲۲۱
۱۵۴۔ جاحظ/ ج۱، ص۲۴۹ ☆ قرطبی/ ج۱۸، ص۱۱۶
۱۵۵۔ توفیق الواعی/ ص۲۱۸
۱۵۶۔ ابوزہرہ/ ۲۱۹
۱۵۷۔ مسلم/ ج۳، ص۱۲۵، رقم ۱۶۸۱۔ ☆ ابوداؤد/ ج۴، ص۱۹۴، رقم ۴۵۷۶۔
۱۵۸۔ عبد بن حمید/ المسند/ ص۳۴۴، رقم ۱۱۳۶
۱۵۹۔ حلبی/ ج۲، ص۴۷۲ ☆ زرقانی/ شرح المواہب اللدنیہ/ ج۲، ص۵
۱۶۰۔ ابن ماجہ/ ج۳، ص۱۷۰، رقم ۲۶۲۸۔☆ ابوداؤد/ ج۴، ص۱۸۴، رقم ۴۵۴۷
۱۶۱۔ ابوزہرہ/ ص۲۱۹
۱۶۲۔ جاحظ/ ج۲، ص۱۳
۱۶۳۔ احمد/ ج۲، ص۴۹۳، رقم ۷۳۵۵۔
۱۶۴۔ محمد عطیہ الابراشی/ عظمۃ الرسول ﷺ/ ص۲۷۷
۱۶۵۔ واقدی/ المغازی/ ج۳/ ص۱۰۱۶، ☆ ابن کثیر/ البدایۃ النہایۃ/ ج۵/ ص۱۷۔۱۸،
۱۶۶۔ طبرانی/ المعجم الکبیر/ ج۱۰، ص۲۰۱۶، رقم ۱۰۵۱۵
۱۶۷۔ جاحظ/ ج۳، ص۲۶۳
۱۶۸۔ القرآن/ سورۂ آل عمران، آیت ۱۵۹
۱۶۹۔ القرآن/ سورۂ توبہ، آیت ۱۲۸

۱۷۰۔ القرآن/ سورۂ کہف، آیت ۶

۱۷۱۔ اس کی تفصیل کلام نبوی ﷺ کی تاثیر کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں

۱۷۲۔ بخاری/ الصحیح / رقم حدیث ۱

۱۷۳۔ جاحظ/ ج ۳، ص ۱۴

۱۷۴۔ چنانچہ حج کے موقع پر وہ مختلف راستوں پر اپنے نمائندے مقرر کر دیتے تھے جو باہر سے آنے والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غلط معلومات فراہم کر کے ڈراتے اور آپ ﷺ کے خلاف بھڑکاتے تھے تاکہ وہ آپ ﷺ کی گفتگو سے مستفیض نہ ہو سکیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم یہ ہوا کہ اس پروپیگنڈے کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور بعثت مبارک کا تذکرہ چہار جانب پھیل گیا اور تمام قبائل پر آپ ﷺ کی دعوت کا چرچا ہونے لگا، ملاحظہ کیجئے:

☆ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک، (۲۱۳ھ)/ السیرۃ النبویہ/ بیروت، دارالمعرفہ، ۱۹۷۸ء/ ج ۲، ص ۱۱، ۱۲

☆ ابن سیدالناس (م ۷۳۴ھ)/ عیون الاثر/ مدینہ منورہ، مکتبہ دارالتراث، ۱۹۹۲ء/ ج ۱، ص ۱۹۱

۱۷۵۔ ابن قیم جوزیہ، (۷۵۱ھ)/ زادالمعاد/ بیروت، موسسۃ الرسالہ، ۱۹۸۷ء/ ج ۳، ص ۶۲۴، ۶۲۶،

☆ علی بن برہان الدین الحلبی، (م ۱۰۴۴ھ)/ انسان العیون/ بیروت، دارالمعرفہ، ج ۲، ص ۶۹

۱۷۶۔ مسلم بن حجاج ابوالحسین القشیری، (۲۶۱ھ)/ الصحیح / بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۸ء/ ج ۲، ص ۱۴۔

☆ احمد بن محمد بن حنبل ابوعبداللہ بن الشیبانی، (۲۴۱ھ)/ المسند/ داراحیاء التراث العربی، ۱۹۹۳ء/ ج ۱، ص ۴۹۷، رقم ۲۷۴۴۔

☆ ابن کثیر/ السیرۃ النبویہ/ بیروت، داراحیاء العربی، ج ۱، ص ۴۵۲،

۱۷۷۔ حاکم/ المعدرک/ ج ۲/ ص ۵۵۰، رقم ۳۸۷۲ ☆ ابن ہشام/ السیرۃ النبویہ/ ج ۲، ص ۱۱، ۱۲

۱۷۸۔ القرآن/ سورۂ حم سجدہ/ آیت ۱ تا ۳۸

۱۷۹۔ مکمل تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے، ابن کثیر/ البدایہ والنہایہ/ ج ۳، ص ۸۲۔

☆ ابن ہشام/ السیرۃ النبویہ/ ج ۲/ ص ۳۵

۱۸۰۔ یہ واقعہ متعدد کتب سیرت و احادیث میں آیا ہے، جزئیات و تفاصیل میں اختلاف ہے یہاں واقعے کا اکثر حصہ خصوصاً خطبہ البدایہ والنہایہ سے لیا گیا ہے اور یہ خطبہ حسب حدیث میں اس تفصیل کے ساتھ سب سے مکمل مسند احمد میں بیان ہوا ہے، ملاحظہ کیجئے

☆ مسلم/ الصحیح / بیروت، دارالکتب العلمیہ ۱۹۹۸ء/ ج ۲، ص ۱۱۸، ۱۱۹، رقم ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱

☆ بخاری، محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)/ الصحیح /مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۳ء/ کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف، رقم ۴۳۳۰ تا ۴۳۳۴

۱۸۱۔ احمد/ المسند/ ج ۱، ص ۴۳۶، رقم ۲۳۷۶

☆ یہ واقعہ نہایت اختصار کے ساتھ ابوداؤد نے بھی اپنی سنن میں ذکر کیا ہے، ابوداؤد/ السنن/ بیروت،

دار الفکر ۱۹۹۴ء/ ج ۱، ص ۱۹۵، رقم ۴۸۶، ۴۸۷

۱۸۲۔ القرآن، سورۂ شعراء، آیت ۲۱۴

۱۸۳۔ حلبی/ ج ۱، ص ۴۶۰

۱۸۴۔ طبری/ التفسیر/ ج ۱۹، ص ۱۲۲ ☆ ابن کثیر/ التفسیر/ ج ۳، ص ۳۵۲

۱۸۵۔ بخاری/ الصحیح / کتاب (۶۵) التفسیر، باب (۲۶) رقم ۴۷۷۰۔ ☆ مسلم/ ج/ ص ۶۴، رقم ۲۰۸

۱۸۶۔ ابن الاثیر/ الکامل/ ج ۲، ص ۲۷ ☆ حلبی/ ج/ ص ۴۵۹،

۱۸۷۔ البدایہ والنہایہ/ ج ۳، ص ۴۱

۱۸۸۔ ابن ہشام/ ۲، ص ۲۴۰

۱۸۹۔ مسلم/ ۳، ص ۴۶، رقم ۱۵۸۷

۱۹۰۔ احمد/ ج ۲، ص ۲۵۲، رقم ۵۸۵۳

۱۹۱۔ احمد/ ج ۲، ص ۲۰۱، رقم ۵۴۹۸

۱۹۲۔ احمد/ ج ۳، ص ۵۱۹، رقم ۱۱۴۷۱

۱۹۳۔ ابوداؤد/ ج ۳/ ص ۸، رقم ۲۸۰۰ ☆ بخاری/ کتاب (۱۳) العیدین، باب (۲۳) رقم ۹۸۳،

۱۹۴۔ مسند احمد/ ج ۳/ ص ۵۱۹، رقم ۱۱۴۷۱، قدیم ۳/ ۹۳

۱۹۵۔ ابن خزیمہ، محمد بن اسحاق (م ۳۱۱ھ)/ الصحیح / ج ۳/ ص ۱۹۱، رقم ۱۸۸۷۔

☆ حارث بن ابی سامہ (م ۲۸۲ھ)/ المسند/ ج ۱/ ص ۴۱۲، رقم ۳۲۱۔

۱۹۶۔ واقدی/ المغازی/ ج ۳/ ص ۱۰۱۶،

۱۹۷۔ واقدی/ کتاب المغازی/ ج/ ص ۲۲۱،

۱۹۸۔ بخاری/ الصحیح / کتاب، (۵۶) الجہاد والسیر، باب (۱۵۶) رقم ۳۰۲۴ و ۳۰۲۵،

☆ مسلم/ الصحیح / ج ۳/ ۱۶۱، رقم ۱۷۴۲

۱۹۹۔ سورۂ انفال، آیت ۶۰

۲۰۰۔ ترمذی/ السنن/ ج ۵/ ص ۵۶، رقم ۳۰۹۴، ☆ مسلم/ الصحیح / ج ۳/ ص ۲۷۰، رقم ۱۹۱۷، ۱۹۱۸،

۲۰۱۔ مسلم/ الصحیح ج ۳/ ص ۲۵۵، رقم ۱۸۸۵،

۲۰۲۔ ابن ہشام/ ج ۲، ص ۲۴۰

۲۰۳۔ ابن ماجہ/ ج ۲، ص ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۷

۲۰۴۔ ابن سعد/ ج ۱، ص ۲۲۶

۲۰۵۔ ابویعلی/ المسند/ ج ۲، ص ۵۱۰، رقم ۱۳۵۸ ☆ ہیثمی/ مجمع الزوائد/ ج ۹، ص ۶۶

۲۰۶۔ ابن ہشام/ ج ۲، ص ۲۷۶

۲۰۷۔ بخاری/ ج ۲، ص ۷۰

۲۰۸۔ بخاری/ کتاب الکسوف، باب (۴) الصلاۃ فی الکسوف، رقم ۱۰۴۴
☆ مسلم/ ج۲/ ص۳۳، رقم ۹۰۱
۲۰۹۔ شامی/ ج۶، ص۴۸۷
۲۱۰۔ ایضاً/ ص۴۸۸
۲۱۱۔ ایضاً
۲۱۲۔ شامی/ ج۶، ص۴۰۴
۲۱۳۔ شامی/ ج۶، ص۴۳۱
۲۱۴۔ احمد/ المسند/ ج۳، ص۳۹۶۔ رقم ۱۰۷۵۹
۲۱۵۔ مسند احمد/ ج۶، ص۵۰۶، رقم ۲۲۶۰۵
۲۱۶۔ جاحظ/ ج۱، ص۱۱۴
۲۱۷۔ زرقانی / ج۲، ص۵
۲۱۸۔ ابن ہشام/ ج۴، ص۲۵۷
۲۱۹۔ ابن قیم/ زادالمعاد/ ج۱، ص۱۸۹
۲۲۰۔ ابوداؤد/ ج۱، ص۳۱۱، رقم ۱۰۹۷ ☆ طحاوی/ مشکل الآثار/ ج۱، ص۴
۲۲۱۔ ابن قیم/ زادالمعاد/ ج۱، ص۱۸۸
۲۲۲۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر/ نقوش رسول نمبر ﷺ/ ج۸، ص۳۷۱
۲۲۳۔ ابن قیم/ زادالمعاد/ ج۱، ص۱۸۶
۲۲۴۔ ابن قتیبہ/ عیون الاخبار/ ج۲، ص۲۳۱
۲۲۵۔ ملاحظہ کیجیے آنحضور ﷺ کے مکاتیب/ ڈاکٹر حمید اللہ/ الوثائق السیاسیہ/ بیروت، دار النفائس، ۱۹۸۵ء
۲۲۶۔ ابن حجر/ فتح الباری/ ج۲، ص۵۱۵
۲۲۷۔ ایضاً/ ص۵۱۴
۲۲۸۔ طبرانی / المعجم الکبیر/ ج۸، ص۲۳۱، رقم ۱۹۱۱
☆ نسائی کبریٰ/ ج۱، ص۵۵۰۔ رقم ۱۷۸۸، اس کے الفاظ ہیں فلا تصدقه
۲۲۹۔ ابن خذیمہ/ ج۲، ص۳۳۹، رقم ۱۴۴۶، ☆ دارمی/ ج۱، ص۴۳۰، رقم ۱۵۵۸،
۲۳۰۔ ابن قیم/ زادالمعاد/ ج۱، ص۱۸۶
۲۳۱۔ ابن سعد/ طبقات/ ج۲، ص۱۴۰ ☆ زادالمعاد/ ج۲، ص۲۳۳،
۲۳۲۔ ابن ہشام/ السیرۃ النبویہ/ ج۴، ص۹۳ ☆ ابویعلیٰ/ ج۱۰، ص۴۲، رقم ۵۶۷۵
۲۳۳۔ ابن حجر/ فتح الباری/ ج۲، ص۵۰۶

۲۳۴۔ منبر کی تاریخ کے لئے دیکھئے/ سید فضل الرحمٰن/ ہادی اعظم ﷺ/ ج۱،ص۳۴۹
۲۳۵۔ ابوداؤد/ ج۱،ص۴۱۱، رقم۱۰۹۶
۲۳۶۔ ابن ماجہ/ ج۲،ص۳۵۸،ص رقم ۱۱۰۷
۲۳۷۔ ابن ماجہ/ص۳۶۶، رقم ۱۱۳۶،
۲۳۸۔ ابن قدامہ،عبداللہ بن احمد المقدسی (م۶۲۰)/ المغنی/ بیروت، دارالفکر،۱۴۰۵ھ/ ج۲،ص۷۵،
☆ ابن حبان/ الثقات/ بیروت، دارالفکر،۱۹۷۵ء/ ج۷،ص۵۱۸، رقم ۱۱۲۵۸۔
۲۳۹۔ عبدالرزاق/ المصنف/ ج۳،ص۱۹۲، رقم۵۲۸۱،
۲۴۰۔ المغنی/ ج۲،ص۷۱
۲۴۱۔ مسلم/ ج۲،ص۱۳، رقم ۴۳۔(۸۶۷) ☆نسائی/کتاب الصلاۃ، باب۶۷۳
۲۴۲۔ ابن ماجہ/ ج۴،ص۷۲۱، رقم ۴۲۷۵ ☆مسلم/ ج۴،ص۲۹۱، رقم ۲۵۔(۲۲۸۸)
۲۴۳۔ احمد/ ج۷،ص۵۵۰، رقم ۲۶۷۱۶
۲۴۴۔ ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر۲۴۱۔
۲۴۵۔ یہ خطبہ کلام نبوی کی تاثیر کے عنوان کے تحت پورا بیان ہو چکا ہے۔
۲۴۶۔ ان جملوں کے لئے دیکھئے خطبہ حجۃ الوداع/ بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع،
☆ ابن ماجہ/ کتاب المناسک، باب خطبہ یوم النحر ☆ابن سعد/ الطبقات/ ج۲،ص۱۳۵،بعد،
۲۴۷۔ طبری/ التاریخ/ ج۲،ص۷
۲۴۸۔ ابن ہشام/ ج۴،ص۹۲
۲۴۹۔ ابن خذیر/ الصحیح/ ج۳،ص۱۴۹، رقم ۱۷۹۷
۲۵۰۔ مثال کے طور پر دیکھئے، ابن ہشام/ ج۲،ص۲۴۰
۲۵۱۔ صحیح ابن حبان/ ج۱۳،ص۳۱۲، رقم ۵۹۷۳۔☆حاکم/ ج۳،ص۵۳۳، رقم ۵۹۸۲
۲۵۲۔ ابن حبان/ ج۹،ص۲۵۷، رقم ۳۹۴۴۔☆دارمی/ ج۲،ص۷۰، رقم ۱۸۵۰۔
☆ ابن شیبہ/ ج۳،ص۳۳۶، رقم ۱۴۷۰۴
۲۵۳۔ ہناد/ الزہد/ ج۲،ص۲۷۹، رقم ۴۹۲
۲۵۴۔ حاکم/ ج۴،ص۳۰۴، رقم۷۷۱۶☆احمد/ ج۴،ص۷۸، رقم ۱۲۸۰۹۔احمد کے الفاظ یہ ہیں: **کان اذا تکلم بکلمۃ رددھا ثلاثا واذا اتی قوماً فسلم علیھم سلم علیھم ثلاثاً**
۲۵۵۔ نسائی/کبریٰ/ ج۴،ص۳۹۸، رقم ۷۶۷۰ ☆ احمد/ ج۵،ص۵۴۹، رقم ۱۹۱۰۷
۲۵۶۔ طبری/ التاریخ/ ج۲،ص۸
۲۵۷۔ الفاکہی، محمد بن احسان بن عباس، ابوعبداللہ (م۲۷۵ھ)/ اخبار مکہ/ بیروت، دارخضر،۱۴۱۴ھ ج۳،ص۵۹، رقم ۱۷۹۳۔ یہ الفاظ راقم کو صرف اس روایت میں مل سکے ہیں، لیکن صحابۂ کرام سے

اختتام خطبہ میں یہ الفاظ بہ کثرت منقول ہیں، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ الفاظ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم استعمال فرماتے تھے، دیکھئے۔ ثابت بن قیسؓ، تاریخ طبری/ ج۲، ص۱۸۸

☆ سبل الہدیٰ والرشاد/ ج۶، ص۲۸۸

عبداللہ بن زبیر/ تاریخ طبری/ ج۳، ص۵۲۵

حضرت حسنؓ/ مستدرک/ ج۳، ص۱۹۳، رقم ۴۸۱۳

حضرت عائشہؓ طبرانی / المعجم الکبر/ ج۲۳، ص۱۸۴،

۲۵۸۔ محمد خلیل الخطیب/ خطب الرسول/ ص۱۲۷

۲۵۹۔ ابوداؤد/ ج۱، ص۴۰۹، رقم ۱۰۹۲

۲۶۰۔ مسلم/ ج۲، ص۱۲، رقم ۴۱ (۸۶۶) ☆ ابوداؤد/ ج۱، ص۴۱۲، رقم ۱۱۰۱،

۲۶۱۔ ابوداؤد/ ج۱، ص۴۱۴، رقم ۱۱۰۷

۲۶۲۔ المغنی/ ابن قدامہ/ ج۲، ص۱۴۴

۲۶۳۔ محمد ابراہیم، محمد ابراہیم/ الجانب الاعلامی فی خطب الرسول/ ص۶۳

۲۶۴۔ مسلم/ ج۲، ص۱۳، رقم ۴۵ (۸۶۷) ☆ بیہقی / السنن الکبریٰ/ ج۴، ص۴۶۰، رقم ۵۸۹۲،

۲۶۵۔ طبرانی / المعجم الکبیر/ ج۲، ص۲۴۰، رقم ۲۰۰۴،

۲۶۶۔ مسند الشافعی/ ص۶۶

۲۶۷۔ ابن ماجہ/ ج۱، ص۳۵۹، رقم ۱۱۱۱

۲۶۸۔ المعجم الاوسط/ ج۸، ص۱۷۲، رقم ۸۳۰۶

۲۶۹۔ محمد خلیل الخطیب/ ص۸۱

۲۷۰۔ ایضاً

۲۷۱۔ پروفیسر سرور عالم ندوی/ فن تنقید میں رسول عربی ﷺ کے رہنما اصول/ مشمولہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ/ مدیر محمد جلال الدین عمری/ اکتوبر، دسمبر ۱۹۹۸ء/ ص۷۵

۲۷۲۔ جاحظ/ ج۲، ص۶

۲۷۳۔ الوسیط/ ص۱۰۵

۲۷۴۔ تاریخ ادب عربی/ ص۲۹۸

۲۷۵۔ جرجی زیدان/ تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ/ ج۱، ص۱۸۸، بیروت

۲۷۶۔ ایضاً

۲۷۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ/ ج۸، ص۹۵۵

۲۷۸۔ الوسط/ ص۱۰۶